سیرت النبی پر ایک عمدہ تقریر و تحریر

ماجد علوی

برائے سہولت طلبہ و طالبات سکولز، کالجز، یونیورسٹیز

ماہ ربیع الاول رسولِ رحمت، پیغمبر انسانیت، رُوحِ ایماں، جانِ ایماں، شانِ کائنات، مقصودِ کائنات، فخر موجودات، سراپانور "نُور علی نُور" حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا مہینہ ہے' اس ماہ مبارک میں ہر طرف عجب سماں ہے، چڑیاں چہچہا رہی ہیں، بہاریں مسکرا رہی ہیں، کلیاں کِھل رہی ہیں، شگوفے پھوٹ رہے ہیں، کوئل کُو کُو کر رہی ہے، آبشاروں کے ترنم سے "خوشیاں مناؤ کملی والا آ گیا" کے نغمے بہار بن کر کائنات میں جلوے بکھیر رہے ہیں، ہر طرف نور کی شعاعیں انوار و تجلیات کا منظر پیش کر رہی ہیں، کائنات کا ذرہ ذرہ' صحرا صحرا، قطرہ قطرہ، قُلزم قُلزم رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں جھوم جھوم رہا ہے، چرند پرند، حجر و شجر، پھول و کلیاں، چاند و چاندنی، سورج و کرنیں، ستارے و سیارے، دریا و صحرا، کھیت و کھلیان، زمین و زماں، مکین و مکاں، الفاظ و حروف سمیت اس کائنات میں سبھی تو آمد رسول کی خوشیاں منا رہے ہیں، خوشیاں کیوں نہ منائیں؟

9 یا 12 ربیع الاول کو اس کریم ہستی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کائنات کو شرف بخشا جس کے پاکیزہ و مُصفیٰ توسل سے ذلت و رسوائی کی اتھاہ گہرائی میں گری اور فرسودہ رسم و رواج کے شکنجوں میں جکڑی عورت کو شرف و عزت اور آزادی نصیب ہوئی، 9 یا 12 ربیع الاول بیٹی کو باپ کی شفقت کا سایہ، بہن کو بھائی کی چھتر چھائوں، بیوی کو شوہر کی طرف سے حفاظت کی چادر، ماں کو "اَلجنۃ تحت اَقدامِ الاُمھات" کا مژدہ جاں فزا، اُستاذ کو "اِنّمَا بُعثتُ مُعلّماَ" کی خوشخبری اور غلام کو آزادی کا پروانہ نصیب ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل عورت کو پاؤں کی جوتی اور نفرت و گھن کی علامت تصور کیا جاتا تھا مگر جونہی 9 یا 12 ربیع الاول کی پاکیزہ، شفاف شبنمی، اُجلی، نکھری، لطیف و نظیف اور محبت و شفقت کے پیکر میں ڈھلی

صُبح صادق طلوع ہوئی تو اسکے ساتھ ہی ہر طرف ظلم و تشدد، جہالت و گمراہی، کثافت و غلاظت، نفرت و تعصب کا سورج ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا۔

9یا12 ربیع الاول کی وہ سہانی صُبح کی بابرکت اور بارحمت گھڑی جس صُبح چمکا طیبہ کا چاند، اُن دل افروز ساعتوں پہ لاکھوں، کروڑوں، اربوں نہیں بلکہ کھربوں درودو سلام کے نذرانے اور عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کرنے کو دل کرتا ہے جس دن نبی مہربان دنیا میں تشریف لائے اس دن قیصر و کسریٰ کے محلات پہ جگمگاتے کنگرے، حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کے محل سے نکلنے والی نورانی شعاعوں کی تاب نہ لاتے ہوئے گر پڑے تھے اور ہزاروں سال سے روشن بُت کدہ آناً فاناً بُجھ گیا تھا۔

رسولِ رحمت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آمد سے لسانی، علاقائی، نسلی اور قومی چوہدراہٹ کے بُت پاش پاش کر دیئے گئے، افتادہ و پسماندہ طبقات کو جتنا تحفظ و احترام رسولِ رحمت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا دنیا کے کسی بھی آئین و قانون میں اسکی نظیر نہیں ملتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ہر پہلو روشن، تابندہ، رخشندہ، درخشندہ اور چمکدار نظر آتا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر بحیثیت باپ کے پیمانے پر دیکھا جائے تو بیٹی کیساتھ شفقت و محبت کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو گی کہ جب بھی خاتونِ جنت سیدہ طیبہ طاہرہ حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لاتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُنکے استقبال کیلئے سروقد کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور عصمت و طہارت کی حامل پیشانی مبارک پر بوسہ دیکر خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹھنے کیلئے وہ مبارک چادرِ تطہیر بچھا دیتے تھے جس کو ربِ ذوالجلال نے "یَا اَیُّھَا الْمُزَمِّل" کے آفاقی خطاب سے نوازا ہے۔

بحیثیت شوہر اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو بیوی کیساتھ محبت کا ایسا پاکیزہ انداز پڑھنے کو ملتا ہے کہ جب کائنات کے مومنین کی ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس برتن سے منہ لگا کر پانی نوش فرماتیں تھیں' اُسی برتن میں اُسی جگہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنا منہ مبارک لگا کر پانی نوش فرماتے تھے بیوی کیساتھ محبت و شفقت کا ایسا مثالی و عملی نمونہ پیش کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کائنات پر بسنے والی جمیع انسانیت کو اپنی اپنی بیویوں سے محبت و شفقت کا طریقہ بتا دیا،

بحیثیت بھائی اگر کائنات کے سوہنڑے تے من موہنڑے لجپال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مُصفیٰ تے مُز کیٰ صفحات کی ورق گردانی کی جائے تو ہمیں رسولِ رحمت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی رضاعی بہن جنابِ حضرت شیمار ضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیار و محبت کا ایسا انوکھا انداز پڑھنے کو ملتا ہے جس کو پڑھ کر انسانیت کا سر فخر سے بلند نظر آتا ہے' رضاعی بہن سے پیار و احترام کا ایسا پاکیزہ رشتہ انسانیت کو آج تک دیکھنے اور سُننے کو نہیں ملا، بحیثیت آقا اگر دیکھنا ہو تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اُن دس سالوں کو دیکھا جا سکتا ہے جو رسولِ رحمت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفیق و کریم بارگاہِ عظمت میں بسر ہوئے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ:

''میں نے 10 سال اپنے کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں گزارے مگر میرے لجپال کریم و شفیق آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی مجھے جِھڑکا تک نہیں اور یہ تک نہیں فرمایا کہ یہ کام کیوں کیا ہے اور یہ کیوں نہیں کیا''۔

یہ تو رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے صرف چند نمونے ہیں' اگر سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قلم لکھنا چاہے تو بالآخر ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ قلم عاجزی کا اظہار کرتا ہوا نظر آتا ہے الفاظ ختم ہو جاتے ہیں مگر سیرت و صورت کی دلکشی کا بیان پھر بھی مکمل نہیں ہوتا.... اللہ کریم ہمیں آپ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق دے..... وما علینا الا البلاغ

سیرت النبی ﷺ اور ہماری زندگی

سیرت النبی اور ہماری زندگی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیآت اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ہادی لہٗ۔ ونشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لا لہ ونشہد ان سیّدنا وسندنا

ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہٖ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔ امابعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوۃٌ حسنۃٌ من کان یرجوا اللہ والیوم الاٰخر، وذکر اللہ کثیراً۔

)سورۃ الاحزاب۔ ۲۱(

اٰمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذالک من الشاہدین و الشاکرین والحمد للہ ربّ العالمین۔

آپ ﷺ کا تذکرہ باعث سعادت

۱۲؍ ربیع الاوّل ہمارے معاشرے، ہمارے ملک اور خاص کر برصغیر میں باقاعدہ ایک جشن اور ایک تہوار کی شکل اختیار کرگئی ہے۔ جب ربیع الاوّل کا مہینہ آتا ہے تو سارے ملک میں سیرت النبی اور میلاد النبی کا ایک غیر متناہی سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کا مبارک تذکرہ اتنی بڑی سعادت ہے کہ اس کے برابر کوئی سعادت نہیں ہوسکتی۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں آپ کے مبارک تذکرہ کو اس ماہ ربیع الاوّل کے ساتھ بلکہ صرف ۱۲؍ ربیع الاوّل کے ساتھ مخصوص کردیا گیاہے اور یہ کہاجاتاہے کہ چونکہ ۱۲ ربیع الاوّل کو حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت ہوئی۔ اس لئے آپ کا یومِ ولادت منایاجائے گا اور اس میں آپ کی سیرت اور ولادت کا بیان ہوگا۔

لیکن یہ سب کچھ کرتے وقت ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ جس ذاتِ اقدس کی سیرت کا یہ بیان ہورہاہے اور جس ذات اقدس کی ولادت کا یہ جشن منایا جارہاہے، خود اس ذاتِ اقدس کی تعلیم کیاہے؟ اور اس تعلیم کے اندر اس قسم کا تصور موجود ہے یا نہیں؟

تاریخ انسانیت کا عظیم واقعہ

اس میں کسی مسلمان کو شبہ نہیں ہوسکتا کہ آنحضرت ﷺ کا اس دنیا میں تشریف لانا، تاریخ انسانیت کا اتنا عظیم واقعہ ہے کہ اس سے زیادہ عظیم، اس سے زیادہ پُرمسرت، اس سے زیادہ مبارک اور مقدس واقعہ

اس روئے زمین پر پیش نہیں آیا، انسانیت کو نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کا نور ملا، آپ کی مقدس شخصیت کی برکات نصیب ہوئیں، یہ اتنا بڑا واقعہ ہے کہ تاریخ کا اور کوئی وقعہ اتنا بڑا نہیں ہو سکتا اور اگر اسلام میں کسی کی یومِ پیدائش منانے کا کوئی تصور ہوتا تو سرکارِ دوعالم ﷺ کی یومِ پیدائش سے زیادہ کوئی دن اس بات کا مستحق نہیں تھا کہ اس کو منایا جائے اور اس کو عید قرار دیا جائے۔ لیکن نبوت کے بعد آپ ۲۳ سال اس دنیا میں تشریف فرما رہے اور ہر سال ربیع الاوّل کا مہینہ آتا تھا، لیکن نہ صرف یہ کہ آپ نے ۱۲ ربیع الاوّل کو یومِ پیدائش نہیں منایا، بلکہ آپ کے کسی صحابی کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ نہیں گزرا کہ چونکہ ۱۲ ربیع الاوّل آپ ﷺ کی پیدائش کا دن ہے اس لئے اس کو کسی خاص طریقے سے منانا چاہیئے۔

۱۲ر ربیع الاوّل اور صحابہ کرام

اس کے بعد سرکارِ دوعالم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور تقریباً سوا لاکھ صحابہ کرام کو اس دنیا میں چھوڑ گئے وہ صحابہ کرام ایسے تھے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ ایک سانس کے بدلے اپنی پوری جان نچھاور کرنے کیلئے تیار تھے۔ آپ ﷺ کے جانثار، آپ ﷺ پر فداکار، آپ ﷺ کے عاشق زار تھے۔ لیکن کوئی ایک صحابی ایسا نہیں ملے گا جس نے اہتمام کر کے یہ دن منایا ہو یا اس دن کوئی جلسہ منعقد کیا ہو۔ یا کوئی جلوس نکالا ہو، یا کوئی چراغاں کیا ہو، یا کوئی جھنڈیاں سجائی ہوں، صحابہ کرام نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ اس لئے کہ اسلام کوئی رسموں کا دین نہیں ہے۔ جیسا کہ دوسرے اہل مذاہب ہیں کہ ان کے ہاں چند رسومات ادا کرنے کا نام دین ہے۔ جب وہ رسمیں ادا کرلیں تو بس پھر چھٹی ہوگئی۔ بلکہ اسلام عمل کا دین ہے اور یہ تو جنم روگ ہے کہ پیدائش سے لے کر مرتے دم تک ہر انسان اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہے اور سرکارِ دوعالم ﷺ کی سنت کی اتباع میں لگا رہے۔

کرسمس کی ابتداء

یومِ پیدائش منانے کا یہ تصور ہمارے ہاں عیسائیوں سے آیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یومِ پیدائش کرسمس کے نام سے ۲۵/ دسمبر کو منایا جاتا ہے۔ تاریخ اُٹھا کر دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے تقریباً تین سو سال تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یومِ

پیدائش منانے کا کوئی تصور نہیں تھا۔ آپ کے حوارین اور صحابہ کرام میں سے کسی نے یہ دن نہیں منایا، تین سو سال کے بعد کچھ لوگوں نے یہ بدعت شروع کر دی اور یہ کہا کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یومِ پیدائش منائیں گے۔ اس وقت بھی جو لوگ دینِ عیسوی پر پوری طرح عمل پیرا تھے انہوں نے ان سے کہا کہ تم نے یہ سلسلہ کیوں شروع کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں تو یومِ پیدائش منانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس میں کیا حرج ہے؟ یہ کوئی ایسی بات تو نہیں ہے بس ہم اس دن جمع ہو جائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کریں گے۔ ان کی تعلیمات کو یاد دلائیں گے اور اس کے ذریعے سے لوگوں میں ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو گا، اس لئے ہم کوئی گناہ کا کام تو نہیں کر رہے ہیں۔ چنانچہ یہ کہہ کر یہ سلسلہ شروع کر دیا۔

کرسمس کی موجودہ صورتحال

چنانچہ شروع شروع میں تو یہ ہوا کہ جب ۲۵/ دسمبر کی تاریخ آتی تو چرچ میں ایک اجتماع ہوتا ایک پادری صاحب کھڑے ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور آپ کی سیرت بیان کر دیتے۔ اس کے بعد اجتماع برخواست ہو جاتا۔ گویا کہ بے ضرر اور معصوم طریقے پر یہ سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد انہوں نے سوچا کہ ہم پادری کی تقریر تو کرا دیتے ہیں۔ مگر وہ خشک قسم کی تقریر ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ ہے کہ نوجوان اور شوقین مزاج لوگ تو اس میں شریک نہیں ہوتے، اس لئے اس کو ذرا دلچسپ بنانا چاہئے، تاکہ لوگوں کے لئے دلکش ہو اور اس کو دلچسپ بنانے کیلئے اس میں موسیقی ہونی چاہئے، چنانچہ اس کے بعد موسیقی پر نظمیں پڑھی جانے لگیں پھر انہوں نے دیکھا کہ موسیقی سے بھی کام نہیں چل رہا ہے، اس لئے اس میں ناچ گانا بھی ہونا چاہئے، چنانچہ پھر ناچ گانا بھی شامل ہو گیا پھر سوچا کہ اس میں کچھ تماشے بھی ہونے چاہئے۔ چنانچہ ہنسی مذاق کے کھیل تماشے شامل ہو گئے۔ چنانچہ ہوتے ہوتے یہ ہوا کہ وہ کرسمس جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات بیان کرنے کے نام پر شروع ہوا تھا، اب وہ عام جشن کی طرح ایک جشن بن گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناچ گانا اس میں، موسیقی اس میں، شراب

نوشی اس میں، قمار بازی اور جوا اس میں گویا کہ اب دنیا بھر کی ساری خرافات کرسمس میں شامل ہو گئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پیچھے رہ گئیں۔

کرسمس کا انجام

اب آپ دیکھ لیجئے کہ مغربی ممالک میں جب کرسمس کا دن آتا ہے، تو اس میں کیا طوفان برپا ہوتا ہے، اس ایک دن میں اتنی شراب پی جاتی ہے کہ پورے سال اتنی شراب نہیں پی جاتی۔ اس ایک دن میں اتنے حادثات ہوتے ہیں کہ پورے سال اتنے حادثات نہیں ہوتے، اسی ایک دن میں عورتوں کی عصمت دری اتنی ہوتی ہے کہ پورے سال اتنی نہیں ہوتی اور یہ سب کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یومِ پیدائش کے نام پر ہو رہا ہے۔

میلاد النبی کی ابتداء

اللہ تعالیٰ انسان کی نفسیات اور اس کی کمزوریوں سے واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ جانتے ہیں کہ اس کو ذرا سا شوشہ دیا گیا تو یہ کہاں سے کہاں بات کو پہنچائے گا۔ اس واسطے کسی کے دن منانے کا کوئی تصور ہی نہیں رکھا۔ جس طرح "کرسمس" کے ساتھ ہوا، اسی طرح یہاں بھی ہوا کہ کسی بادشاہ کے دل میں خیال آگیا کہ جب عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یومِ پیدائش مناتے ہیں تو ہم حضورِ اقدس ﷺ کا یومِ پیدائش کیوں نہ منائیں؟ چنانچہ یہ کہہ کر اس بادشاہ نے میلاد کا سلسلہ شروع کر دیا، شروع میں یہاں بھی یہی ہوا کہ میلاد ہوا جس میں حضورِ اقدس ﷺ کی سیرت کا بیان ہوا اور کچھ نعتیں پڑھی گئیں۔ لیکن اب آپ دیکھ لیں کہ کہاں تک نوبت پہنچ چکی ہے۔

یہ ہندوانہ جشن ہے

یہ تو حضورِ اقدس ﷺ کا معجزہ ہے کہ چودہ سو سال گزرنے کے باوجود الحمد للہ وہاں تک ابھی نوبت نہیں پہنچی جس طرح عیسائیوں کے ہاں پہنچ چکی ہے۔ لیکن اب بھی دیکھ لو کہ سڑکوں پر کیا ہو رہا ہے، کس طرح روضہ اقدس کی شبیہیں کھڑی کی ہوئی ہیں، کس طرح کعبہ شریف کی شبیہیں کھڑی کی ہوئی ہیں۔ کس

طرح لوگ اس کے ارد گرد طواف کر رہے ہیں کس طرح اس کے چاروں طرف ریکارڈنگ ہو رہی ہے، کس طرح چراغاں کیا جارہا ہے اور کس طرح جھنڈیاں سجائی جارہی ہیں، معاذ اللہ ایسا معلوم ہو رہا ہے یہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی سیرت طیبہ کا جشن نہیں ہے بلکہ جیسے ہندوؤں اور عیسائیوں کا عام جشن ہوتے ہیں اس طرح کا کوئی جشن ہے اور رفتہ رفتہ ساری خرابیاں اس میں جمع ہو رہی ہیں۔

یہ اسلام کا طریقہ نہیں

سب سے بڑی خرابی یہ سب کچھ دین کے نام پر ہو رہا ہے اور یہ سب کچھ حضورِ اقدس ﷺ کے مقدس نام پر ہو رہا ہے اور یہ سب کچھ حضورِ اقدس ﷺ کے مقدس نام پر ہو رہا ہے، اور سب کچھ ہو رہا ہے کہ یہ بڑے اجر و ثواب کا کام ہے اور یہ خیال کر رہے ہیں کہ آج ۱۲ ربیع الاوّل کو چراغاں کر کے اور اپنی عمارتوں کو روشن کر کے اور اپنے راستوں کو سجا کر ہم نے حضورِ اقدس ﷺ کے ساتھ محبت کا حق ادا کر دیا اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ آپ دین پر عمل نہیں کرتے؟ تو جواب دیتے ہیں ہمارے یہاں تو میلاد ہوتا ہے ہمارے یہاں تو حضورِ اقدس ﷺ کی یومِ پیدائش پر چراغاں ہوتا ہے اس طرح دین کا حق ادا ہو رہا ہے۔ حالانکہ یہ طریقہ اسلام کا طریقہ نہیں ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ کا طریقہ نہیں ہے۔ آپ کے صحابہ کرام کا طریقہ نہیں ہے اور اگر اس طریقے سے میں خیر و برکت ہوتی تو ابو بکر صدیق، فاروقِ اعظم، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم اس سے چوکنے والے نہیں تھے۔

بنیے سے سیانا سو باؤلا

میرے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ ہندی زبان کی ایک مثل اور کہاوت سنایا کرتے تھے کہ ان کے یہاں یہ کہاوت بہت مشہور ہے کہ:

)بنیے سے سیانا سو باؤلا(

یعنی اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں تجارت میں بنیے سے زیادہ سیانا اور ہوشیار ہوں اور اس سے زیادہ تجارت جانتا ہوں تو وہ باؤلا اور پاگل ہے اس لئے کہ حقیقت میں تجارت کے اندر کوئی شخص بنیے سے زیادہ

سیانا نہیں ہو سکتا۔ یہ کہاوت سنانے کے بعد حضرت والد صاحب فرماتے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں صحابہ کرام سے زیادہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق ہوں اور صحابہ کرام سے زیادہ محبت رکھنے والا ہوں وہ حقیقت میں پاگل ہے، بے وقوف اور احمق ہے۔ اس لئے کہ صحابہ کرام سے بڑا عاشق اور محب کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

آپ کا مقصد بعثت کیا تھا؟

صحابہ کرام کا یہ حال تھا کہ نہ جلوس ہے، نہ جلسہ ہے، نہ چراغاں ہے نہ جھنڈی ہے، اور نہ سجاوٹ ہے۔ لیکن ایک چیز ہے وہ یہ کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ زندگیوں میں رچی بسی ہوئی ہے۔ ان کا ہر دن سیرتِ طیبہ کا دن ہے۔ ان کا ہر لمحہ سیرتِ طیبہ کا لمحہ ہے۔ ان کا ہر کام سیرتِ طیبہ کا کام ہے، کوئی کام ایسا نہیں تھا جو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ سے خالی ہو۔ چونکہ وہ جانتے تھے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے کہ اپنا دن منوائیں اور اپنی تعریفیں کرائیں۔ اپنی شان میں قصیدے پڑھوائیں، خدانہ کرے اگر یہ مقصود ہوتا تو جس وقت کفار مکہ نے آپ کو یہ پیشکش کی تھی کہ اگر آپ سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار بنانے کیلئے تیار ہیں۔ اگر آپ مال و دولت کے طلبگار ہیں تو مال و دولت کے ڈھیر آپ کے قدموں میں لانے کیلئے تیار ہیں، اگر آپ حسن و جمال کے طلبگار ہیں تو عرب کا منتخب حسن و جمال آپ کی خدمت میں نذر کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ آپ اپنی تعلیمات کو چھوڑ دیں اور یہ دعوت کا کام چھوڑ دیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیزیں مطلوب ہوتیں تو آپ ان کی اس پیشکش کو قبول کر لیتے۔ سرداری بھی ملتی، روپیہ پیسہ بھی مل جاتا اور دنیا کی ساری نعمتیں حاصل ہو جاتیں۔ لیکن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور ایک ہاتھ میں ماہتاب بھی لاکر رکھ دو گے تب بھی اپنی تعلیمات سے ہٹنے والا نہیں ہوں۔

کیا آپ دنیا میں اس لئے تشریف لائے تھے کہ لوگ میرے نام پر عید میلاد النبی منائیں؟ بلکہ آپ کے آنے کا منشاء وہ ہے جو قرآن کریم نے اس آیت میں بیان فرمایا کہ:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوۃٌ حسنۃٌ من کان یرجو اللہ والیوم الاٰخر، وذکر اللہ کثیراً۔

(سورۃ الاحزاب۔۲۱)

یعنی ہم نے نبی کریم ﷺ کو تمہارے پاس بہترین نمونہ بنا کر بھیجا ہے، تاکہ تم ان کی نقل اُتارو اور اس شخص کیلئے بھیجا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔

انسان نمونے کا محتاج ہے

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نمونے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب نازل فرمادی تھی، ہم اس کو پڑھ کر اس کے احکام پر عمل کر لیتے؟ بات دراصل یہ ہے کہ نمونے بھیجنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ انسان کی فطرت اور جبلت یہ ہے کہ صرف کتاب اس کی اصلاح کیلئے اور اس کو کوئی فن، کوئی علم و ہنر سکھانے کیلئے کافی نہیں ہوتی، بلکہ انسان کو سکھانے کیلئے کسی مربی کے عملی نمونے کی ضرورت ہوتی ہے، جب تک نمونہ سامنے نہیں ہوگا اس وقت تک محض کتاب پڑھنے سے کوئی علم اور کوئی فن نہیں آئے گا۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں داخل فرمائی ہے۔

ڈاکٹر کیلئے "ہاؤس جاب" لازم کیوں؟

ایک انسان اگر یہ سوچے کہ میڈیکل سائنس پر کتابیں لکھی ہوئی ہیں میں ان کتابوں کو پڑھ کر دوسروں کا علاج شروع کر دوں وہ پڑھنا بھی جانتا ہے، سمجھدار بھی ہے، ذہین بھی ہے اور اس نے کتابیں پڑھ کر علاج شروع کر دیا تو وہ سوائے قبرستان آباد کرنے کے کوئی اور خدمت انجام نہیں دے گا۔

چنانچہ دنیا بھر کا قانون ہے کہ اگر کسی شخص نے ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کر لی۔ اس کو اس وقت تک عام پریکٹس کرنے کی اجازت نہیں جب تک وہ ایک مدت تک ہاؤس جاب نہ کرے اور جب تک کسی ہسپتال میں کسی ماہر ڈاکٹر کی زیر نگرانی میں عملی نمونہ نہیں دیکھے گا اس وقت تک صحیح ڈاکٹری نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اس نے اب تک بہت سی چیزوں کو صرف کتاب میں پڑھا ہے ابھی اس کے عملی نمونے اس

کے سامنے نہیں آئے۔ اب مرض، کتابی تفصیل کے ساتھ اس کی عملی صورت مریض کی شکل میں دیکھ کر اسے صحیح معنی میں علاج کرنا آئے گا اس کے بعد اس کو عام پریکٹس کی اجازت دے دی جائے گی۔

کتاب پڑھ کر قورمہ نہیں بنا سکتے

کھانے پکانے کی کتابیں بازار میں چھپی ہوئی موجود ہیں اور ان میں ہر چیز کی ترکیب لکھی ہوئی ہے کہ بریانی اس طرح بنتی ہے پلاؤ اس طرح بنتا ہے، کباب اس طرح بنتے ہیں، قورمہ اس طرح بنتا ہے۔ اب ایک آدمی ہے جس نے آج تک کبھی کھانا نہیں بنایا، کتاب سامنے رکھ کر اور اس میں ترکیب پڑھ کر قورمہ بنالے، خدا جانے وہ کیا چیز تیار کریگا۔ ہاں اگر کسی استاد اور جاننے والے نے اس کو سامنے بیٹھا کر بتا دیا کہ دیکھو قورمہ اس طرح بنتا ہے اور اس کی عملی تربیت دیدی پھر وہ شاندار طریقے سے بنالے گا۔

تنہا کتاب کافی نہیں

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت یہ رکھی ہے کہ جب تک کسی مربی کا عملی نمونہ اس کے سامنے نہ ہو اس وقت تک وہ صحیح راستے پر صحیح طریقے پر نہیں آسکتا اور کوئی علم و فن صحیح طور پر نہیں سیکھ سکتا۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کا جو سلسلہ جاری فرمایا، وہ درحقیقت اسی مقصد کو بتانے کیلئے تھا کہ ہم نے کتاب تو بھیج دی۔ لیکن تنہا کتاب تمہاری رہنمائی کیلئے کافی نہیں ہوگی جب تک اس کتاب پر عمل کرنے کیلئے نمونہ تمہارے سامنے نہ ہو اس لئے قرآن کریم یہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے حضورِ اقدس ﷺ کو اس غرض کیلئے بھیجا ہے کہ تم یہ دیکھو کہ یہ قرآن کریم تو ہماری تعلیمات ہیں اور یہ نبی ﷺ ہماری تعلیمات پر عمل کرنے کا نمونہ ہے۔

تعلیماتِ نبوی کا نور درکار ہے

قرآن کریم نے ایک اور جگہ پر کیا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کہ:

قد جاء کم من اللہ نورٌ و کتابٌ مبینٌ۔ (سورۃ المائدہ۔۱۵)

یعنی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تو کھلی کتاب یعنی قرآن آیا ہے اور اس کے ساتھ ایک نور آیا ہے اس اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ اگر کسی کے پاس کتاب موجود ہے اور کتاب میں سب کچھ لکھا ہے، لیکن اس کے پاس روشنی نہیں ہے نہ سورج کی روشنی ہے، نہ بجلی کی روشنی ہے، نہ چراغ کی روشنی ہے، بلکہ اندھیرا ہے۔ اس لئے اب روشنی کے بغیر اس کتاب سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اسی طرح اگر دن کی روشنی موجود ہے، بجلی کی روشنی موجود ہے، لیکن آنکھ کی روشنی نہیں ہے تب بھی کتاب سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ لہٰذا جس طرح روشنی کے بغیر کتاب سے فائدہ نہیں اُٹھایا جاسکتا، اسی طرح ہم نے قرآن کریم کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا نور بھیجا ہے جب تک تعلیمات کا یہ نور تمہارے پاس نہیں ہو گا، تم قرآن کریم نہیں سمجھ سکو گے اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ تمہیں نہیں آئیگا۔

حضور ﷺ کی تعلیمات سراپا نور ہیں

بعض نااہل اور ناقدر شناس لوگ اس آیات کا یہ مطلب نکالتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ ذاتی اعتبار سے بشر نہیں تھے۔ بلکہ ''نور'' تھے ارے یہ تو دیکھو کہ یہ بجلی کا نور، یہ ٹیوب لائٹ کا نور، حضورِ اقدس ﷺ کی تعلیمات کے نور کے آگے کیا حیثیت رکھتا ہے؟ درحقیقت اس آیت میں یہ بتلانا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ جو کچھ تعلیم دے رہے ہیں یہ وہ نور ہے جس کے ذریعے تم کتابِ مبین پر صحیح صحیح عمل کر سکو گے اور اس نمونے کے بغیر تمہیں صحیح طرح عمل کرنے میں دشواری ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لئے مبعوث فرمایا کہ آپ کی تعلیمات کا نور کتاب اللہ کی عملی تشریح کرے گا۔ یہ تمہیں تربیت دے گا اور تمہارے سامنے ایک عملی نمونہ پیش کر کے دکھائے گا کہ یہ دیکھو اللہ کی کتاب پر اس طرح عمل کیا جاتا ہے اور اب ہم نے حضورِ اقدس ﷺ کی ذات کو ایک مکمل اور کامل نمونہ بنا دیا یہ ایسا نمونہ ہے کہ انسانیت اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے اور یہ نمونہ اس لئے بھیجا ہے کہ تم اس کو دیکھو، اور اس کی نقل اُتارو تمہارا کام بس یہی ہے۔

آپ کی ذات ہر شعبۂ زندگی کا نمونہ تھی

اگر تم باپ ہو تو یہ دیکھو کہ فاطمہ کے باپ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کیا کرتے تھے؟ اگر تم شوہر ہو تو دیکھو کہ عائشہ اور خدیجہ کے شوہر (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کیا کرتے تھے؟ اگر تم حاکم ہو تو یہ دیکھو کہ مدینہ کے حاکم (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) نے کس طرح حکومت کی؟ اگر تم مزدور ہو تو یہ دیکھو کہ مکہ کی پہاڑیوں پر بکریاں چَرانے والے مزدور (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کیا کرتے تھے؟ اگر تم تاجر ہو تو یہ دیکھو کہ سرکارِ دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے شام کی تجارت میں کیا طریقہ اختیار فرمایا؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تجارت بھی کی، زراعت بھی کی، سیاست بھی کی، معیشت بھی کی، زندگی کا کوئی شعبہ نہیں چھوڑا جس میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذات نمونہ کے طور پر موجود نہ ہو، بس! تم اس نمونے کو دیکھو اور اس کی پیروی کرو، اسی مقصد کیلئے ہم نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو بھیجا ہے اسلئے نہیں بھیجا کہ آپ کا یومِ پیدائش منایا جائے اس لئے نہیں بھیجا کہ آپ کا جشن مناکر یہ سمجھ لیا جائے کہ ہم نے ان کا حق ادا کر دیا۔ بلکہ اس لئے بھیجا کہ ان کی ایسی اتباع کرو، جیسی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اتباع کر کے دکھائی۔

مجلس کا ایک ادب

صحابہ کرام کو ہر آن اس بات کا دھیان تھا کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اتباع کس طرح ہو؟ صحابہ کرام ویسے ہی صحابہ کرام نہیں بن گئے۔ سنئے! ایک مرتبہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے خطبہ کے دوران آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد کے کناروں پر کھڑے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ آج کل بھی آپ نے دیکھا ہو گا کہ جب کوئی تقریر یا جلسہ ہوتا ہے تو کچھ لوگ کناروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں وہ لوگ نہ تو بیٹھتے ہیں اور نہ جاتے ہیں اس طرح کناروں پر کھڑا ہونا مجلس کے ادب کے خلاف ہے، اگر تمہیں سننا ہے تو بیٹھ جاؤ اور اگر نہیں سننا ہے تو جاؤ اپنا راستہ دیکھو، اس لئے کہ اس طرح کھڑے رہنے سے بولنے والے کو ذہن بھی تشویش میں مبتلا ہوتا ہے اور سننے والوں کا ذہن بھی انتشار کا شکار رہتا ہے۔

اتباع ہو تو ایسی

بہر حال! آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کناروں پر کھڑے ہوئے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''بیٹھ جاؤ'' جس وقت آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حکم دیا اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ باہر سڑک پر تھے اور مسجد نبوی کی طرف آرہے تھے اور ابھی مسجد میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ اس وقت ان کے

کان میں حضورِ اقدس ﷺ کی یہ آواز آئی کہ ''بیٹھ جاؤ'' آپ وہیں سڑک پر بیٹھ گئے، خطبہ کے بعد جب حضورِ اقدس ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تو بیٹھنے کا حکم ان لوگوں کو دیا تھا جو یہاں مسجد کے کناروں پر کھڑے ہوئے تھے، لیکن تم تو سڑک پر تھے اور سڑک پر بیٹھنے کو تو میں نے نہیں کہا تھا، تم وہاں کیوں بیٹھ گئے؟ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جب حضور ﷺ کا یہ ارشاد کان میں پڑ گیا کہ ''بیٹھ جاؤ'' تو پھر عبد اللہ بن مسعود کی مجال نہیں تھی کہ وہ ایک قدم آگے بڑھائے۔

اور یہ بات نہیں تھی کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس بات کو جانتے نہیں تھے کہ حضورِ اقدس ﷺ مجھے سڑک پر بیٹھنے کا حکم نہیں دے رہے تھے، بلکہ اصل بات یہ تھی کہ جب حضور ﷺ کا یہ ارشاد کان میں پڑ گیا کہ ''بیٹھ جاؤ'' تو اب اس کے بعد قدم نہیں اُٹھ سکتا، صحابہ کرام کی اتباع کا یہ حال تھا، ویسے ہی صحابہ کرام نہیں بن گئے تھے، عشق و محبت کے دعویدار تو بہت ہیں لیکن ان صحابہ کرام جیسا عشق کوئی لے کر تو آئے۔

میدانِ جنگ میں ادب کا لحاظ

میدانِ اُحد میں حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی طرف تیر برسائے جا رہے ہیں، تیروں کی بارش ہو رہی ہے، حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ یہ چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے سامنے آڑ بن جائیں، لیکن اگر ان تیروں کی طرف سینہ کر کے آڑ بنتے ہیں تو حضور اقدس ﷺ کی طرف پشت ہو جاتی ہے اور یہ گوارا نہیں کہ میدان جنگ میں بھی حضور ﷺ کی طرف پشت ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے اپنا سینہ حضورِ اقدس ﷺ کی طرف اور پشت کفار کے تیروں کی طرف کر دی اور اس طرح تیروں کو اپنی پشت پر لے رہے تھے، تاکہ جنگ کے میدان میں بھی یہ بے ادبی نہ ہو کہ حضورِ اقدس ﷺ کی طرف پشت ہو جائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مسجد نبوی سے بہت دور مکان لے لیا تھا، وہاں رہنے لگے تھے اور دوری کی وجہ سے وہاں سے روزانہ مسجد نبوی میں حاضری دینا مشکل تھا، چنانچہ ان کے قریب ایک صاحب رہتے تھے ان سے یہ طے کر لیا تھا کہ ایک دن تم مسجد نبوی چلے جایا کرو اور ایک دن میں جایا کروں گا۔ جس دن تم جاؤ اس دن واپس آکر مجھے یہ بتانا کہ آج حضورِ اقدس ﷺ نے کیا کیا باتیں ارشاد فرمائیں اور جب میں جایا کروں گا تو میں واپس آکر تمہیں بتادیا کروں گا کہ حضور ﷺ نے کیا کیا باتیں ارشاد فرمائیں۔ تاکہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی کوئی بات چھوٹنے نہ پائے۔ اس طرح صحابہ کرام نے حضور ﷺ کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور سنتوں پر جان دی ہے۔

اپنے آقا کی سنت نہیں چھوڑ سکتا

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے موقع پر معاملات طے کرنے کے لئے حضورِ اقدس ﷺ کے ایلچی بن کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، وہاں جاکر اپنے چچازاد بھائی کے گھر ٹھہر گئے اور جب صبح کے وقت مکہ کے سرداروں سے مذاکرات کیلئے گھر سے جانے لگے تو اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا پاجامہ ٹخنوں سے اوپر آدھی پنڈلی تک تھا، آنحضرت ﷺ کا فرمان یہ تھا کہ ٹخنوں سے نیچے آزار لٹکانا تو بالکل ناجائز ہے۔ اگر ٹخنوں سے اوپر ہو تو جائز ہے۔ لیکن حضورِ اقدس ﷺ کا عام معمول اور عادت یہ تھی کہ آپ آدھی پنڈلی تک اپنا ازار رکھتے تھے اس سے نیچے نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی نے کہا کہ جناب! عربوں کا دستور ہے کہ جس شخص کا ازار اور تہبند جتنا لٹکا ہوا ہو، اتنا ہی اس آدمی کو بڑا سمجھا جاتا ہے اور سردار قسم کے لوگ اپنی ازار کو لٹکا کر رکھتے ہیں اس لئے اگر آپ اپنی ازار اس طرح اونچی پہن کر ان لوگوں کے پاس جائیں گے تو اس صورت میں ان کی نظروں میں آپ کی وقعت نہیں ہوگی اور مذاکرات میں جان نہیں پڑے گی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب اپنے چچازاد بھائی کی باتیں سنیں تو ایک ہی جواب دیا فرمایا کہ:

لا! ہکذا ازرۃ صاحبنا ﷺ

نہیں میں اپنا ازار اس سے نیچا نہیں کر سکتا، میرے آقا ﷺ کا ازار ایسا ہی ہے۔ یعنی اب یہ لوگ مجھے اچھا سمجھیں، یا بُرا سمجھیں میری عزت کریں یا بے عزتی کریں، جو چاہیں کریں مجھے اس کی کوئی پراہ نہیں، میں تو حضورِ اقدس ﷺ کا ازار دیکھ چکا ہوں اور آپ کا جیسا ازار ہے، ویسا ہی میرا رہے گا اسے میں تبدیل نہیں کر سکتا۔

ان احمقوں کی وجہ سے سنت چھوڑ دوں؟

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ (فاتح ایران) نے جب ایران میں کسریٰ پر حملہ کیا گیا تو اس نے مذاکرات کیلئے آپ رضی اللہ عنہ کو دربار میں بلایا۔ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو تواضع کے طور پر پہلے ان کے سامنے کھانا لا کر رکھا گیا، چنانچہ آپ نے کھانا شروع کیا، کھانے کے دوران آپ کے ہاتھ سے ایک نوالہ نیچے گر گیا۔ حضورِ اقدس ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ اگر نوالہ نیچے گر جائے تو اس کو ضائع نہ کرو وہ اللہ کا رزق ہے اور یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے کون سے حصے میں برکت رکھی ہے، اس لئے اس نوالے کی ناقدری نہ کرو، بلکہ اس کو اُٹھالو، اگر اس کے اوپر مٹی لگ گئی ہے تو اس کو صاف کرلو، اور پھر کھالو۔ چنانچہ جب نوالہ نیچے گرا تو حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث یاد آگئی اور آپ نے اس نوالے کو اُٹھانے کیلئے نیچے ہاتھ بڑھایا۔ آپ کے برابر ایک صاحب بیٹھے تھے انہوں نے آپ کو کہنی مار کر اشارہ کیا کہ یہ کیا کر رہے ہو۔ یہ تو دنیا کی سپر طاقت کسریٰ کا دربار ہے، اگر تم اس دربار میں زمین پر گرا ہوا نوالہ اُٹھا کر کھاؤ گے تو ان لوگوں کے ذہنوں میں تمہاری وقعت نہیں رہے گی اور یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑے ندیدہ قسم کے لوگ ہیں اس لئے یہ نوالہ اُٹھا کر کھانے کا موقع نہیں آج اس کو چھوڑ دو۔

جواب میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا: أأترک سنۃ رسول اللہ ﷺ لہولاء الحمقی؟

کیا میں ان احمقوں کی وجہ سے سرکارِ دوعالم ﷺ کی سنت چھوڑ دوں؟ چاہے یہ اچھا سمجھیں یا بُرا سمجھیں، عزت کریں یا ذلت کریں، یا مذاق اُڑائیں، لیکن میں سرکارِ دوعالم ﷺ کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔

کسریٰ کے غرور کو خاک میں ملا دیا

اب بتایئے کہ انہوں نے اپنی عزت کرائی یا آج ہم سنتیں چھوڑ کر کروا رہے ہیں؟ عزت انہوں نے ہی کرائی اور ایسی عزت کرائی کہ ایک طرف تو سنت پر عمل کرتے ہوئے نوالہ اُٹھا کر کھایا تو دوسری طرف ایران کے وہ کج کلاہ جو غرور کے مجسّمے بنے ہوئے تھے ان کا غرور ایسا خاک میں ملایا کہ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمادیا کہ:

اذا ہلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ

کہ جس دن کسریٰ ہلاک ہوا، اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہے، دنیا سے اس کا نام ونشان مٹ گیا۔

اپنا لباس نہیں چھوڑیں گے

اس واقعہ سے پہلے یہ ہوا کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہٗ اور حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہٗ جب مذاکرات کیلئے جانے لگے اور کسریٰ کے محل میں داخل ہونے لگے تو اس وقت وہ اپنا وہی سیدھا سادھا لباس پہنے ہوئے تھے چونکہ لمبا سفر کر کے آئے تھے اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ کپڑے کچھ میلے بھی ہوں، دربار کے دروازے پر جو دربان تھا اس نے آپ کو اندر جانے سے روک دیا اس نے کہا کہ تم اتنے بڑے بادشاہ کسریٰ کے دربار میں ایسے لباس میں جارہے ہو؟ اور یہ کہہ کر اس نے ایک جبہ دیا کہ آپ یہ جبہ پہن کر جائیں حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہٗ نے اس دربان سے کہا کہ اگر کسریٰ کے دربار میں جانے کیلئے اس کا دیا ہوا جبہ پہننا ضروری ہے تو پھر ہمیں اس کے دربار میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں، اگر ہم جائیں گے تو اسی لباس میں جائیں گے اور اگر اس کو اس لباس میں ملنا منظور نہیں تو پھر ہمیں بھی اس سے ملنے کا کوئی شوق نہیں۔ لہٰذا ہم واپس جارہے ہیں۔

تلوار دیکھ لی۔۔۔بازو بھی دیکھ

اس دربان نے اندر پیغام بھیجا کہ یہ عجیب قسم کے لوگ آئے ہیں جو جبہ لینے کو بھی تیار نہیں اس دوران حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہٗ اپنی تلوار کے اوپر لپٹی ہوئی کترنوں کو درست کرنے لگے جو تلوار کے

ٹوٹے ہوئے حصے پر لپیٹی ہوئی تھیں۔ اس چوکیدار نے تلوار دیکھ کر کہا: ذرا مجھے اپنی تلوار تو دکھاؤ، آپ نے وہ تلوار اس کو دے دی اس نے وہ تلوار دیکھ کر کہا کہ کیا تم اس تلوار سے ایران فتح کرو گے؟ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابھی تک تم نے صرف تلوار دیکھی ہے تلوار چلانے والا ہاتھ نہیں دیکھا اسنے کہا کہ اچھا ہاتھ بھی دکھادو حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاتھ دیکھنا چاہتے ہو تو ایسا کرو کہ تمہارے پاس تلوار کا وار روکنے والی جو سب سے زیادہ مضبوط ڈھال ہو وہ منگوالو اور پھر میرا ہاتھ دیکھو، چنانچہ وہاں جو سب سے زیادہ مضبوط لوہے کی ڈھال تھی، جس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ کوئی تلوار اس کو نہیں کاٹ سکتی وہ منگوائی گئی۔ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی شخص اس کو میرے سامنے لے کر کھڑا ہو جائے، چنانچہ ایک آدمی اس ڈھال کو لے کر کھڑا ہو گیا تو حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے وہ تلوار جس پر کترنیں لپٹی ہوئی تھی' اس کا ایک وار جو کیا تو اس ڈھال کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ سب لوگ یہ نظارہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ خدا جانے یہ کیسی مخلوق آگئی ہے۔

یہ ہیں فاتح ایران

بہر حال! اس کے بعد دربان نے اندر پیغام بھیجا کہ یہ ایک عجیب وغریب مخلوق آئی ہے جو نہ تمہارا دیا ہوا لباس پہنتی ہے، اور ان کی تلوار بظاہر ٹوٹی پھوٹی نظر آتی ہے لیکن اس نے ڈھال کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ان کو اندر بلوایا گیا۔۔ کسریٰ کے دربار کا دستور یہ تھا کہ وہ خود تو کرسی پر بیٹھا رہتا تھا اور سارے درباری سامنے کھڑے رہتے تھے۔ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے کسریٰ سے کہا ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے پیروکار ہیں اور حضورِ اقدس ﷺ نے ہمیں اس بات سے منع کیا ہے کہ ایک آدمی بیٹھا رہے اور باقی آدمی اس کے سامنے کھڑے رہیں، لہٰذا ہم اس طرح سے مذاکرات کرنے کیلئے تیار نہیں، یا تو ہمارے لئے بھی کرسیاں منگوائیں جائیں یا کسریٰ بھی ہمارے سامنے کھڑا ہو۔ کسریٰ نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ تو ہماری توہین کرنے کیلئے آگئے، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ ایک مٹی کا ٹوکرا بھر کر ان کے سر پر رکھ کر ان کو واپس روانہ کر دو، میں ان سے بات نہیں کرتا، چنانچہ ایک مٹی

کاٹو کر اان کو دیدیا گیا۔ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہٗ جب دربار سے نکلنے لگے تو جاتے ہوئے یہ کہا کہ :اے کسریٰ! یہ بات یادرکھنا کہ تم نے ایران کی مٹی ہمیں دے دی۔ یہ کہہ کر روانہ ہوگئے۔ ایرانی لوگ بڑے توہم پرست قسم کے لوگ تھے، انہوں نے سوچا کہ یہ جو کہا کہ ایران کی مٹی ہمیں دے دے یہ توبڑی بدفالی ہوگئی اب کسریٰ نے فوراًایک آدمی پیچھے دوڑایا کہ جاؤجلدی سے وہ مٹی کاٹو کر اواپس لے آؤ۔ اب حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہٗ کہاں ہاتھ آنے والے تھے چنانچہ وہ لے جانے میں کامیاب ہوگئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا تھا کہ ایران کی مٹی انہی ٹوٹی ہوئی تلوار والوں کے ہاتھ میں ہے۔

آج مسلمان ذلیل کیوں؟

حضور نبی کریم ﷺ کی سنتوں کی اتباع میں آپ کی سنتوں کی تعمیل میں ان حضراتِ صحابہ نے دنیا بھر میں اپنالوہا منوایااور آج ہم پر یہ خوف مسلط ہے کہ اگر فلاں سنت پر عمل کر لیاتولوگ کیا کہیں گے، اگر فلاں سنت پر عمل کر لیا تو دنیا والے مذاق اُڑائیں گے۔ انگلینڈ مذاق اُڑائے گا۔ فلاں ملک والے مذاق اُڑائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ساری دنیامیں آج ذلیل ہورہے ہیں۔ آج دنیا کی ایک تہائی آبادی مسلمانوں کی ہے آج دنیامیں جتنے مسلمان ہیں اتنے مسلمان اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے اور آج مسلمانوں کے پاس جتنے وسائل ہیں اتنے وسائل اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے۔ لیکن حضور نبی کریم ﷺ نے فرمادیا تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ تمہاری تعداد تو بہت ہوگی لیکن تم ایسے ہوگے جیسے سیلاب میں بہتے ہوئے تنکے ہوتے ہیں۔ جن کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ آج ہمارا یہ حال ہے کہ اپنے دشمنوں کو راضی کرنے کیلئے اپنا سب کچھ قربان کردیا۔ اپنے اخلاق چھوڑے، اپنے اعمال چھوڑے، اپنی سیرتیں چھوڑیں، اپنے کردار چھوڑے اور اپنی صورت تک بدل ڈالی سر سے لے کر پاؤں تک ان کی نقل اُتار کر یہ دکھادیا کہ ہم تمہارے غلام ہیں۔ لیکن وہ پھر بھی خوش نہیں ہیں اور روزانہ پٹائی کرتے ہیں کبھی اسرائیل پٹائی کررہا ہے کبھی کوئی دوسراملک پٹائی کررہا ہے لہٰذا ایک مسلمان جب حضورِ اقدس ﷺ کی سنت چھوڑ دے گا تو یاد رکھو اس کیلئے ذلت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ہنسے جانے سے جب تک ڈروگے

ایک شاعر گزرے ہیں اسعد ملتانی مرحوم انہوں نے بڑے اچھے حکیمانہ شعر کہے ہیں۔ فرماتے ہیں:

کسی کا آستانہ اونچا ہے اتنا

کہ سر جھک کر بھی اونچا ہی رہے گا

ہنسے جانے سے جب تک تم ڈرو گے

زمانہ تم پر ہنستا ہی رہے گا

جب تک تم اس بات سے ڈرو گے کہ فلاں ہنسے گا، فلاں مذاق اُڑائے گا تو زمانہ ہنستا ہی رہے گا اور دیکھ لو کہ ہنس رہا ہے اور اگر تم نے نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ کے قدم مبارک پر اپنا سر رکھ دیا اور آپ کی سنتوں کی اتباع کر لی تو پھر دیکھو کہ دنیا تمہاری کیسی عزت کرتی ہے۔

صاحب ایمان کے لئے اتباعِ سنت لازم ہے

یہاں ایک بات اور عرض کر دوں وہ یہ کہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ سنتیں چھوڑنے سے ذلت ہوتی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سارے کفار و مشرکین امریکہ اور دوسرے یورپی ممالک والے سب نے سنتیں چھوڑ رکھی ہیں اور اس کے باوجود وہ خوب ترقی کر رہے ہیں اور خوب ان کی عزت ہو رہی ہے ان کو کیوں ترقی ہو رہی ہے؟

بات اصل میں یہ ہے کہ تم صاحب ایمان ہو تم نے محمد رسول اللہ ﷺ کا کلمہ پڑھا ہے تم جب تک ان کے قدموں پر سر نہیں رکھو گے، اس وقت تک اس دنیا میں تمہاری پٹائی ہوتی رہے گی اور تمہیں عزت حاصل نہیں ہوگی کافروں کے لئے تو صرف دنیا ہی دنیا ہے وہ اس دنیا میں ترقی کریں عزت کرائیں جو چاہے کرائیں تم اپنے آپ کو ان پر قیاس مت کرو، چودہ سو سال کی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیں جب تک مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ کی سنتوں پر عمل کیا اس وقت تک عزت بھی پائی شوکت بھی حاصل کی اقتدار بھی حاصل کیا، لیکن جب سنتیں چھوڑ دیں ہیں اس وقت سے دیکھ لو کیا حالت ہے۔

اپنی زندگی کا جائزہ لیں

بہر حال! تقریر تو ہوتی رہتی ہے، جلسے بھی ہوتے رہتے ہیں، لیکن اس تقریر کے نتیجے میں ہمارے اندر کیا فرق واقع ہوا؟ اس لئے آج ایک کام کا عہد کریں کہ ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ ہم حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی کون سی سنت پر عمل کر رہے ہیں اور کون سی سنت پر عمل نہیں کر رہے ہیں اور کون سی سنت ایسی ہے جس پر ہم فوراً عمل شروع کر سکتے ہیں اور کون سی سنت ایسی ہے جس میں تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے؟ لہٰذا جو سنت ایسی ہے جس پر ہم فوراً شروع کر سکتے ہیں وہ آج سے شروع کر دیں اور اس کا اہتمام کریں۔

اللہ کے محبوب بن جاؤ

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحیؒ صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بیت الخلاء یا غسل خانے میں داخل ہو رہے ہو، بایاں پاؤں پہلے داخل کر دو اور داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لو کہ ”اللّٰھم انی اعوذ بک من الخبث الخبائث“ اور یہ نیت کر لو کہ یہ کام میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اتباع میں کر رہا ہوں بس پھر جس وقت یہ کام کرو گے اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہو جائیگی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ:

فاتبعونی یحببکم اللہ۔ (سورۂ آلِ عمران۔ ۳۱)

”اگر تم میری اتباع کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنالیں گے۔“ لہٰذا اگر چھوٹے چھوٹے کام سنت کے لحاظ کرتے ہوئے کر لے ئے جائیں بس محبوبیت حاصل ہونے لگے گی اور جب سراپا اتباع بن جاؤ گے تو کامل محبوب ہو جاؤ گے ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحیؒ صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مدتوں اس بات کی ریاضت اور مشق کی ہے کہ گھر میں داخل ہوا کھانا سامنے چنا ہوا ہے، بھوک شدت کی لگی ہوئی ہے اور کھانے کو دل چاہ رہا ہے لیکن ایک لمحے کیلئے رک گئے کہ کھانا نہیں کھائیں گے پھر دوسرے لمحے دل میں خیال لائے کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سنت تھی کہ جب آپ کے سامنے اچھا کھانا آتا تھا تو آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کر کے کھالیتے تھے اب ہم بھی حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اتباع میں کھانا کھائیں گے۔ لہٰذا اب جو کھانا کھایا وہ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اتباع میں کھایا، اور اس پر اللہ تعالیٰ کی محبوبیت بھی حاصل ہو گئی اور طبیعت بھی سیر ہو گئی۔

یہ عمل کرلیں

گھر میں داخل ہوئے اور بچہ کھیلتا ہوا اچھا معلوم ہوا اور دل چاہا کہ اس کو گود میں اُٹھالیں، لیکن ایک لمحے کیلئے رک گئے کہ نہیں اُٹھائیں گے پھر دوسرے لمحے دل میں یہ خیال لائے کہ حضورِ نبی کریم ﷺ بچوں پر شفقت فرماتے ہوئے ان کو گود میں اُٹھالیا کرتے تھے، میں بھی آپ ﷺ کی اتباع میں بچے کو گود میں اُٹھاؤں گا۔ چنانچہ حضورِ اقدس ﷺ کی اتباع میں جب بچے کو اُٹھایا تو یہ عمل اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا ذریعہ بن گیا۔ دنیا کا کوئی ایسا کام نہیں ہے جس میں اتباعِ سنت کی نیت نہ کرسکتے ہوں، آپ ﷺ کی سنتوں پر کتاب چھپی ہوئی ہے "اسوۂ رسولِ اکرم ﷺ" وہ کتاب سامنے رکھ لیں۔ ایک ایک سنت دیکھتے جائیں اور اپنی زندگی میں داخل کرتے جائیں۔ پھر دیکھو گے انشاء اللہ ان سنتوں کا کیسا نور حاصل ہوتا ہے اور پھر تمہارا ہر دن سیرت النبی ﷺ کا دن ہوگا اور ہر لمحہ سیرت النبی ﷺ کا لمحہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جھلک

از: مفتی صہیب احمد قاسمی، استاذ فقہ جامعہ حسینیہ، جونپور (یوپی)

رسولِ کائنات، فخر موجودات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو خالق ارض وسما رب العلیٰ نے نسلِ انسانی کے لیے نمونہ کاملہ اور اسوۂ حسنہ بنایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو فطری طریقہ قرار دیا ہے۔ محسن انسانیت صلوات اللہ علیہ وسلامہ کے معمولات زندگی ہی قیامت تک کے لیے شعار ومعیار ہیں، یہی وجہ ہے کہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر گوشہ تابناک اور ہر پہلو روشن ہے یومِ ولادت سے

لے کر روزِ رحلت تک کے ہر ہر لمحہ کو قدرت نے لوگوں سے محفوظ کرا دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متوالوں نے محفوظ رکھا ہے اور سند کے ساتھ تحقیقی طور پر ہم تک پہنچایا ہے، لہٰذا سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت واکملیت ہر قسم کے شک وشبہ سے محفوظ ہے دنیائے انسانیت کسی بھی عظیم المرتب ہستی کے حالات زندگی، معمولات زندگی، انداز واطوار، مزاج ورجحان، حرکات وسکنات، نشست وبرخاست اور عادات وخیالات اتنے کامل ومدلل طریقہ پر نہیں ہیں جس طرح کہ ایک ایک جزئیہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تحریری شکل میں دنیا کے سامنے ہے یہاں تک کہ آپ سے متعلق افراد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اشیاء کی تفاصیل بھی سند کے ساتھ سیرت وتاریخ میں ہر خاص وعام کو مل جائیں گی۔

اس لیے کہ اس دنیائے فانی میں ایک پسندیدہ کامل زندگی گذارنے کے لیے اللہ رب العزت نے اسلام کو نظامِ حیات اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نمونۂ حیات بنایا ہے وہی طریقہ اسلامی طریقہ ہوگا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً، فعلاً منقول ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ سنت کہلاتا ہے اور آپ نے فرمایا ہے من رغب عن سنتی فلیس منی جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

عبادات وطاعات سے متعلق آپ کی سیرت طیبہ اور عادات شریفہ پر برابر لکھا اور بیان کیا جاتا رہتا ہے۔ دنیا میں ہر لمحہ ہر آن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر کہیں نہ کہیں ضرور ہوگا آپ کی سیرت سنائی اور بتائی جاتی رہے گی پھر بھی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عنوان پُرانا نہیں ہوگا یہی معجزہ ہے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اور یہی تفسیر ہے ''ورفعنالک ذکرک'' کی۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی دنیا وآخرت میں کامیابی وسرفرازی کا عنوان اتباع سنت ہے یہی اتباع ہر دور ہر زمانہ میں سربلندی اور خوش نصیبی کی کنجی ہے۔ اگر کسی کو عہدِ رسالت نہ مل سکا تو پھر ان کے لیے عہدِ صحابہ معیارِ عمل ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی پاکیزہ جماعت سیرۃ النبی کا عملی پیکر ہے ہر طرح سے پرکھنے جانچنے کے بعد ان کو نسلِ انسانی کے ہر طبقہ کے واسطے ایمان

وعمل کا معیار بنایا گیا ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تربیت فرمائی ہے اور اللہ رب العالمین نے ان کے عمل و کردار، اخلاق واطوار، ایمان واسلام اور توحید وعقیدہ، صلاح وتقویٰ کو بار بار پرکھا پھر اپنی رضا و پسندیدگی سے ان کو سرفراز فرمایا، کہیں فرمایا "اولئک الذین امتحن اللّٰہ قلوبہم للتقویٰ" کہ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کے تقویٰ کو اللہ نے جانچا ہے، کہیں فرمایا "آمنوا کما آمن الناس" کہ اے لوگو ایسے ایمان لاؤ جیسا کہ محمد کے صحابہ ایمان لائے ہیں تو کہیں فرمایا اولئک ہم الراشدون یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

یہ سب اس لیے کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس جمیل تھے ان کی عبادات میں ہی نہیں بلکہ چال ڈھال میں بھی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور جھلکتا تھا یہی سبب ہے کہ خود رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم" (ترمذی) میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جن سے بھی اقتداء ومحبت کا تعلق جمالوگے ہدایت پا جاؤ گے۔

چونکہ صحرا، جنگل میں سفر کرنے کے لیے سمت معلوم کرنے کے لیے ستاروں کی رہنمائی حاصل کی جاتی ہے اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ستاروں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ نفوس قدسیہ شرک وکفر کے صحراء میں مینارۂ ایمان ہیں۔

زیرِ نظر مضمون میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند خاص گوشوں کو موضوع بنایا گیا ہے جو آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیان کردہ ہیں مختصر طور پر ہر اس پہلو کو ذکر کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس کو عادتاً کم بیان کیا جاتا ہے۔

ولادت شریف اور حلیہ مبارکہ صلی اللہ علیہ وسلم: ۹ / یا ۱۲ / ربیع الاوّل عام الفیل کو آپ نے شکمِ مادر سے تولد فرمایا۔ شمائلِ ترمذی حلیہ مبارکہ بیان کرنے کا سب سے مستند و جامع ذریعہ ہے جس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قد، سرخی مائل، سفید گورا رنگ، سرِ اقدس پر سیاہ ہلکے گھنگھریالے ریشم کی طرح ملائم انتہائی خوبصورت بال جو کبھی شانہ مبارک تک دراز ہوتے تو کبھی گردن تک اور کبھی کانوں کی لو تک رہتے تھے۔ رخِ انور اتنا حسین کہ ماہِ کامل کے مانند چمکتا

تھا، سینۂ مبارک چوڑا، چکلا کشادہ، جسم اطہر نہ دبلا نہ موٹا انتہائی سڈول چکنا کہیں داغ دھبہ نہیں، دونوں شانوں کے بیچ پشت پر مہرِ نبوت کبوتر کے انڈے کے برابر سرخی مائل ابھری کہ دیکھنے میں بے حد بھلی لگتی تھی، پیشانی کشادہ بلند اور چمکدار، ابروئے مبارک کمان دار غیر پیوستہ، دہن شریف کشادہ، ہونٹ یاقوتی مسکراتے تو دندانِ مبارک موتی کے مانند چمکتے، دانتوں کے درمیان ہلکی ہلکی درازیں تھیں بولتے تو نور نکلتا تھا سینہ پر بالوں کی ہلکی لکیر ناف تک تھی باقی پیکر بالوں سے پاک تھا صحابہ کا اتفاق ہے کہ آپ جیسا خوبصورت نہیں دیکھا گیا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ شاعرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ اپنے نعتیہ قصیدے میں نقشہ کھینچتے ہیں:

واحسن منک لم ترقط عینی واجمل منک لم تلد النساء

خلقت مبرئًا من کل عیب کانک قد خلقت کما تشاء

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسین مرد میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ خوبصورت مرد کسی عورت نے نہیں جنا آپ ہر قسم کے ظاہری و باطنی عیب سے پاک پیدا ہوئے گویا آپ اپنی حسب مرضی پیدا ہوئے ہیں، نہ کبھی آپ چیخ کر بات کرتے تھے نہ قہقہہ لگاتے تھے نہ شور کرتے تھے نہ چلا کر بولتے تھے ہر لفظ واضح بولتے جو مجمع سے مخاطب ہوتے تو تین بار جملہ کو بالکل صاف صاف دہراتے تھے اندازِ کلام باوقار، الفاظ میں حلاوت کہ بس سنتے رہنے کو دل مشتاق، لبوں پر ہمہ دم ہلکا سا تبسم جس سے لب مبارک اور رخِ انور کا حسن بڑھ جاتا تھا راہ چلتے تو رفتار ایسی ہوتی تھی گویا کسی بلند جگہ سے اتر رہے ہوں نہ دائیں بائیں مڑ مڑ کر دیکھتے تھے نہ گردن کو آسمان کی طرف اٹھا کر چلتے تھے تواضع کی باوقار مردانہ خوددارانہ رفتار ہوتی، قدمِ مبارک کو پوری طرح رکھ کر چلتے تھے کہ نعلین شریفین کی آواز نہیں آتی تھی ہاتھ اور قدم ریشم کی طرح ملائم گداز تھے اور قدم پُر گوشت، ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہیں ہوتے تھے، اپنا کام خود کرنے میں تکلف نہ فرماتے تھے کہ کوئی مصافحہ کرتا تو اس کا ہاتھ نہیں چھوڑتے تھے جب تک وہ الگ نہ کرلے جس سے گفتگو فرماتے پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوتے کوئی آپ سے

بات کرتا تو پوری توجہ سے سماعت فرماتے تھے، پھر بھی ایسا رعب تھا کہ صحابہ کو گفتگو کی ہمت نہ ہوتی تھی ہر فرد یہی تصور کرتا تھا کہ مجھ کو ہی سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔

دعوت و تبلیغ کا آغاز: تاجِ رسالت اور خلعت نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد رحمۃ للعالمین خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے سماج و معاشرہ کو ایمان و توحید کی دعوت دی جو گلے گلے تک شرک و کفر کی دلدل میں گرفتار تھا، ضلالت و جہالت کی شکار تھی انسانیت، شرافت مفقود تھی، درندگی اور حیوانیت کا راج تھا ہر طاقتور فرعون بنا ہوا تھا۔ قتل و غارت گری کی وبا ہر سُو عام تھی نہ عزت محفوظ، نہ عصمت محفوظ، نہ عورتوں کا کوئی مقام، نہ غریبوں کے لیے کوئی پناہ، شراب پانی کی طرح بہائی جاتی تھی، بے حیائی اپنے عروج پر تھی، روئے زمین پر وحدانیت حق کا کوئی تصور نہ تھا، خود غرضی، مطلب پرستی کا دور دورہ تھا، چوری، بدکاری اپنے عروج پر تھی اور ظلم و ستم ناانصافی اپنے شباب پر تھی خدائے واحد کی پرستش کی جگہ معبودانِ باطل کے سامنے پیشانیاں جھکتی تھیں، نفرت و عداوت کی زہریلی فضا انسان کو انسان سے دور کرچکی تھی، انسانیت آخری سانس لے رہی تھی معاشرہ سے شرک کا تعفن اٹھ رہا تھا۔ کفر کی نجاست سے قلوب بدبودار ہوچکے تھے اس دور کا انسان قرآن کریم کے مطابق جہنم کے کنارے کھڑا تھا، ہلاکت سے دوچار ہونے کے قریب کہ رحمت حق کو رحم آیا اور کوہِ صفا سے صدیوں بعد انسانیت کی بقا کا اعلان ہوا کہ "یآ ایہا الناس قولو الا الہ الا اللّٰہ تفلحوا" اے لوگو! لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان لاؤ فلاح و صلاح سے ہمکنار رہوگے۔ یہ آواز نہیں تھی بلکہ ایوان باطل میں بجلی کا کڑکا تھا۔

وہ بجلی کڑکا تھا یا صوتِ ہادی

عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

یہی آوازِ حق ایک عظیم الشان انقلاب کی ابتداء تھی جس نے دنیائے انسانیت کی تاریخ بدل دی یہ اعلان توحید کی حیات نو کا پیغام تھا جس نے مردہ دل عربوں میں زندگی کی نئی روح پھونک دی اور پھر دنیا نے وہ منظر دیکھا جس کا تصور بھی نہ تھا کہ قاتل عادل بن گئے، بت پرست بت شکن بن گئے، ظلم و غضب کرنے والے حق پرست اور رحم دل بن گئے، سیکڑوں معبودانِ باطل کے سامنے جھکنے والی

پیشانیاں خدائے واحد کے سامنے سرنگوں ہو گئیں، عورتوں کو جانور سے بدتر جاننے والے قطع رحمی اور کمزوروں پر ستم ڈھانے والے عورتوں کے محافظ، صلہ رحمی کے خوگر اور کمزوروں کا سہارا بن گئے، نفرت وعدوات کا آتش فشاں سرد ہو گیا محبت واخوت کی فصلِ بہاراں آگئی، راہزن راہبر اور ظالم عدل وانصاف کے پیامبر بن گئے۔

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

پھر دنیا نے دیکھا کہ ایک امی لقب اعلیٰ نسب رسول کے فداکاروں نے ایمان وتوحید کی تاریخ مرتب کر ڈالی عدل و نصاف کے لازوال نقوش چھوڑے، وحدت مساوات کی لافانی داستان رقم کر دی، فتوحات کی انوکھی تاریخ لکھ دی جہانبانی وحکمرانی کے مثالی اصول مرتب کیے، عفت وپاکدامنی کا ریکارڈ چھوڑ گئے، وفاداری، فداکاری کی انمٹ تحریر دیے، عظمت ورفعت کے ان بلندیوں پر پہنچے جہاں سے اونچا مقام صرف انبیاء ومرسلین کو نصیب ہو سکتا ہے ایسا انقلاب دنیا نے کب دیکھا تھا اور کہاں سنا تھا۔

صبر واستقامت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت حق اور اعلانِ توحید کی راہ میں اپنے ہی لوگوں کے ایسے ایسے مصائب وآلام دیکھے کہ کوئی اور ہوتا تو ہمت ہار جاتا مگر آپ صبر واستقامت کے کوہِ گراں تھے، دشمنانِ اسلام نے قدم قدم پر آپ کو ستایا، جھٹلایا، بہتان لگایا، مجنون ودیوانہ کہا، ساحرو کاہن کا لقب دیا راستوں میں کانٹے بچھائے جسم اطہر پر غلاظت ڈالی، لالچ دیا، دھمکیاں دیں، اقتصادی ناکہ بندی اور سماجی مقاطعہ کیا، آپ کے شیدائیوں پر ظلم وستم اور جبر واستبداد کے پہاڑ توڑے، نئے نئے لرزہ خیز عذاب کا جہنم کھول دیا کہ کسی طرح حق کا قافلہ رک جائے، حق کی آواز دب جائے، مگر دورِ انقلاب شروع ہو گیا تھا توحید کا نعرہ بلند ہو چکا تھا، اس کو غالب آنا تھا۔

یریدون لیطفوٴا نور اللہ بافواہہم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون. (القرآن)

کفار چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (ایمان واسلام) کو اپنی پھنکوں سے بجھادیں اور اللہ پورا کرنے والا ہے اپنے نور کو اگرچہ کفار اس کا ناپسند کریں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ابتلاء وآزمائش میں جتنا مجھ کو ڈالا گیا کسی اور کو نہیں ڈالا گیا۔ اسی طرح آپ کے صحابہ پر جتنے مظالم ڈھائے گئے کسی اور امت میں نہیں ڈھائے گئے۔

ہجرتِ مبارکہ: جب مکہ کی سرزمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام پر بالکل تنگ کردی گئی تب بحکم الٰہی آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور صحابہ کرام نے اللہ کے لیے اپنے گھر بار، آل واولاد، زمین وجائداد سب کو چھوڑ چھاڑ کر حبشہ ومدینہ کا رخ کیا پہلی ہجرت صحابہ کے ایک گروہ نے حبشہ کی طرف کی تھی، پھر جب آپ مدینہ تشریف لے گئے تو مدینہ اسلام کا مرکز بن گیا، ہجرت رسول کے بارے میں مفکر اسلام علی میاں ندوی کا یہ جامع اقتباس بہت ہی معنویت رکھتا ہے کہ ہجرت کس جذبہ کا نام ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کتنی زبردست قربانی دی تھی۔

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہجرت سے سب سے پہلی بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ دعوت اور عقیدہ کی خاطر ہر عزیز اور ہر مانوس ومرغوب شئے اور ہر اس چیز کو جس سے محبت کرنے، جس کو ترجیح دینے اور جس سے بہر صورت وابستہ رہنے کا جذبہ انسان کی فطرت سلیم میں داخل ہے۔ بے دریغ قربان کیا جاسکتا ہے، لیکن ان دونوں اوّل الذکر چیزوں (دعوت وعقیدہ) کو ان میں سے کسی چیز کے لیے ترک نہیں کیا جاسکتا (نبی رحمت) اور ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی پیغام آج بھی مسلمانوں کے سامنے ہے کہ ایمان وعقیدہ اور دعوت وتبلیغ کسی بھی صورت میں ترک کرنا گوارہ نہ کریں یہی دونوں تمام دنیوی واخروی عزت وکامیابی کا سرچشمہ ہے۔

غزوات وسرایا: ہجرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک طرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت اسلام کی تحریک میں کشادہ میدان اور مخلص معاون افراد ملے جس کے باعث قبائل عرب میں تیزی سے اسلام پھیلنے لگا تو دوسری جانب مشرکین مکہ اور یہود مدینہ کی برپا کردہ لڑائیوں کا سامنا بھی تھا مکہ میں مسلمان کمزور اور بے قوت وطاقت تھے اس لیے ان کو صبر واستقامت کی تاکید وتلقین تھی مدینہ

میں مسلمانوں کو وسعت و قوت حاصل ہوئی اور اجتماعیت و مرکزیت نصیب ہوئی اللہ تعالیٰ نے دشمنوں سے لڑنے اور ان کو منھ توڑ جواب دینے کی اجازت عطا فرمائی اور غزوات و سرایا کا سلسلہ شروع ہوا جو اہم غزوات پیش آئے یہ ہیں۔

۱) (غزوۂ بدر ۲ھ میں مومنین و مشرکین مکہ کے درمیان میدانِ بدر میں سب سے پہلا غزوہ پیش آیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپہ سالاری میں تین سو تیرہ مجاہدین نے مشرکین کے ایک ہزار ہتھیار بند لشکر کو ہزیمت سے دوچار کیا اور ابوجہل، شیبہ، عتبہ سمیت ستر (۷۰) سردارانِ قریش مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے اسی سے مسلمانوں کی دھاک قبائل عرب پر نقش ہوگئی۔

۲) (غزوۂ اُحد ۳ھ شوال میں یہ غزوہ ہوا مسلمان سات سو اور کفار تین ہزار تھے۔

۳) (غزوات ذات الرقاع ۴ھ میں پیش آیا اسی میں آپ نے صلوٰۃ الخوف ادا فرمائی۔

۴) (غزوۂ احزاب (خندق) ۵ھ میں ہوا مشرکین مکہ نے قبائل عرب کا متحد محاذ بنا کر حملہ کیا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے مدینہ کے اردگرد چھ کلومیٹر لمبی خندق کھدوائی تھی اسی لیے اس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔

۵) (غزوۂ بنی المصطلق ۶ھ میں ہوا اسی میں منافقین نے حضرت عائشہ پر تہمت لگائی تھی۔

۶) (صلحِ حدیبیہ ۶ھ میں ہوئی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا تھا اور چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ روانہ ہوئے تھے کہ مشرکین مکہ نے حدیبیہ کے مقام پر روک دیا اور وہیں صلح ہوئی کہ آئندہ سال عمرہ کرسکتے ہیں (پوری تفصیل کتابوں میں دیکھی جائے)

۷) (غزوۂ خیبر ۷ھ میں پیش آیا یہ یہودیوں سے آخری غزوہ تھا اس سے قبل غزوۂ بنو نضیر اور غزوۂ بنو قریظہ میں یہودیوں کو جلاوطن اور قتل کیا گیا تھا۔

۹) (غزوۂ تبوک ۹ھ میں پیش آیا ہرقل سے مقابلہ تھا دور کا سفر تھا شام جانا تھا گرمی کا زمانہ تھا اس لیے خلاف عادت آپ نے اس غزوہ کا اعلان فرمایا چندہ کی اپیل کی صحابہ نے دل کھول کر چندہ دیا اور تیس

ہزار کا عظیم الشان لشکر لے کر آپ تبوک روانہ ہوئے، مگر ہرقل بھاگ گیا اور آپ مع صحابہ واپس بخیریت مدینہ تشریف لائے اس غزوہ میں بھی بہت سے اہم واقعات پیش آئے جن کی ایک ایک تفصیل سیر کی کتابوں میں درج ہے۔ ان غزوات کے علاوہ بہت سے سرایا صحابہ کرام کی سرکردگی میں مختلف مواقع پر روانہ فرمائے۔

کچھ اہم واقعات: ۲ھ میں ہجرت کے بعد سترہ مہینہ بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کے بعد تحویل قبلہ ہوا۔ ۲ھ میں روزہ فرض کیا گیا، ۴ھ میں شراب حرام ہوئی۔

فتح مکہ وغزوۂ حنین: ۸ھ میں اسلامی تاریخ کا وہ واقعہ عینی فتحِ مکہ پیش آیا جس سے کلی طور پر اسلام کو عرب میں غلبہ حاصل ہو گیا اور مشرکین کا سارا زور ٹوٹ گیا فتح مکہ کے بعد واپسی میں غزوۂ حنین پیش آیا جس میں پہلی بار مسلمان تعداد میں بارہ ہزار اور کفارِ طائف چار ہزار تھے ورنہ ہر غزوہ میں مسلمان کم اور دشمن کی تعداد دوگنا، تین گنا ہوتی تھی۔

اشیاء الرسول اور ان کے اسماء: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ آپ اپنی چیزوں کا نام رکھ دیا کرتے تھے زاد المعاد میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے بہت سی چیزوں کے نام شمار کرائے ہیں امام اہلِ سنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "سیرۃ نبویہ" میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اشیاء مبارکہ کے اسماء بیان کیے ہیں، نیز دوسرے سیرت نگار علماء نے بھی اس ضمن میں کام کیا ہے، انھیں کتب سیرت ومضامین سیرت سے مندرجہ ذیل اشیاء کے اسماء کا ذکر پیش کیا جا رہا ہے۔

(۱) عمامہ شریف کا نام سحاب تھا۔

(۲) دو پیالے لکڑی اور پتھر کے تھے ایک کا نام ریان اور دوسرے کا نام مضیّب تھا۔

(۳) آبخورہ تھا جس کا نام صادِر تھا۔

(۴) خیمہ تھا جس کا نام رِکی تھا۔

۵)　(آئینہ تھا جس کا نام مُدِلہ تھا۔

۶)　(قینچی تھی جس کا نام جامع تھا۔

۷)　(جوتی مبارکہ تھی جس کا نام ممشوق تھا۔

۸)　(ایک زمانہ میں آپ کے پاس دس گھوڑے تھے "سکب" نامی گھوڑے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ اُحد میں سوار تھے ایک گھوڑے کا نام لزاز تھا، جس کو شاہ اسکندریہ مقوقش نے ہدیۃً بھیجا تھا، باقی گھوڑوں کے نام یہ ہیں: ظرب، ورد، ضریس، ملاوح، سبحہ، بجر۔

۹)　(تین خچر تھے ایک کا نام دُلدل تھا حبشہ کے بادشاہ نے بھیجا تھا آپ نبوت کے بعد اسی پر پہلے پہل سوار ہوئے آپ کے بعد حضرت علی اور حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما اس پر سوار ہوتے تھے ان کے بعد محمد بن حنفیہ کے پاس رہا، دوسرے خچر کا نام فِضّہ تھا جس کو صدیقِ اکبر نے ہدیہ کیا تھا۔ تیسرے کا نام اِیلیہ تھا شاہِ ایلہ نے ہدیہ بھیجا تھا۔

۱۰)　(ایک گدھا تھا جس کا نام یعفور تھا۔

۱۱)　(سواری کی دو اونٹنیاں تھیں ایک کا نام قصواء اور دوسری کا نام عضباء تھا، ہجرت کے وقت آپ قصواء پر سوار تھے اور حجۃ الوداع کا خطبہ بھی اسی پر سوار ہو کے دیا تھا۔

۱۲)　(دو بکریاں خاص دودھ کے لیے تھیں ایک کا نام غوثہ اور دوسری کا نام یمن تھا۔

۱۳)　(ایک سفید رنگ کا مرغ بھی تھا جس کا نام "منقول" تھا۔

۱۴)　(کل نو تلواریں تھیں۔ ذوالفقار نام کی تلوار غزوۂ بدر کے مال غنیمت میں ملی تھی باقی تلواروں کے نام یہ تھے: قلعی، تبار، قسف، مخذم، رسوب، عضب، قضیب۔

۱۵)　(چار نیزے تھے ایک کا نام ان میں سے "شوے" تھا اور بیضاء نام کا ایک بڑا حربہ تھا (جو نیزے سے چھوٹا ہوتا ہے)۔

۱۶)   (عرجون نام کی خم دار لاٹھی تھی، چار کمانیں تھیں ایک کا نام "کتوم" تھا۔

۱۷)   (ترکش کا نام "کافور" اور ڈھال کا نام "زلوق" تھا۔

۱۸)   (ایک خود تھا اس کا نام "ذوالسبوع" تھا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان اشیاء مبارکہ کے اسماء سے معلوم ہوا کہ چیزوں کا نام رکھنا سنت ہے۔ یوں تو متمول افراد شوق سے اپنے کتوں کے نام رکھتے ہیں اور یہ سنت کی پیروی میں نہیں بلکہ یورپ کی تقلید میں، ورنہ دوسری اشیاء کے نام بھی رکھتے بعض گھروں میں بکرا وغیرہ پالنے کا شوق ہوتا ہے اور ان کے نام بھی رکھ دیئے جاتے ہیں عموماً یہ بھی اتباع سنت کے بجائے شوقیہ ہوتے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور ان کے نام: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مختلف زمانوں میں کل ملا کر ستائیس غلام تھے آپ نے ان سب کو آزاد کر دیا تھا بلکہ غلاموں کی آزادی کی تحریک بھی آپ کے مشنِ نبوت کا ایک حصہ تھی آخری وقت میں جب کہ مرض الوفات میں تھے غشی طاری ہو جاتی تھی جب افاقہ ہوتا تو زبانِ مبارک پر صرف دو جملہ ہوتا تھا "الصلاۃ الصلاۃ، العبید العبید"۔

آپ کے غلاموں کے نام یہ تھے۔ زید بن حارثہ ان کو آپ نے اپنا منھ بولا بیٹا بنالیا تھا اور زید بن محمد کہلاتے تھے پھر جب متبنّیٰ سے متعلق آیت نازل ہوئی، تو اپنے والد حارثہ کی طرف منسوب ہونے لگے۔

اسامہ بن زید، ثوبان، ابو کبشہ، انیسہ، شقران، رباح، یسار، ابورافع، ابو مویہبہ، فضالہ، رافع، مدعم، کرکرہ، زید جد ہلال، عبید، طہمان، نابور قبطی، واقد، ہشام، ابو ضمیر، ابو عسیب، ابو عبید، سقیہ، ابو ہند، الحبشہ، ابو امامہ (رضی اللہ عنہم)

باندیاں: باندیوں کی تعداد دس تھی ان سب کو بھی آپ نے آزاد فرما دیا تھا ان کے نام درج ذیل ہیں:

سلمہ، ام رافع، رضویٰ، اُسیمہ، ام ضمیر، ماریہ، سیرین، ام ایمن میمونہ، خضرہ، خویلہ رضی اللہ عنہن۔ سیرین کو آپ نے حضرت حسان بن ثابت کو تحفہ میں دے دیا تھا (یا کسی اور صحابی کو عطا فرمادیا تھا)۔

خدام النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یوں تو فداکارانِ رسول میں سے ہر پروانہ شمع رسالت پر قربان ہونے کو ہر دم تیار رہتا تھا اور کسی بھی ادنیٰ سی خدمت کی سعادت ملنے کو دنیا ومافیہا سے بڑی نعمت سمجھتا تھا، لیکن آپ دوسروں سے کام لینا پسند نہیں فرماتے تھے آپ کے اخلاق حسنہ میں سے تھا کہ اپنا کام خود کرتے تھے پھر بھی آپ کے ذاتی اور گھریلوں کاموں کو انجام دینے کے لیے کچھ خاص خدام تھے جن کی تعداد گیارہ تھی جن کے اسماء حسب ذیل ہیں:

حضرت انس بن مالک (دس برس تک خادم خاص تھے) ہند بنت حارثہ، اسماء بنت حارثہ، ربیعہ بن کعب، عبد اللہ بن مسعود، عقبہ بن عامر، بلال بن رباح، سعد، ذومخمر (شاہ حبشہ کے بھتیجے) بکسر بن شداخ، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم۔

شاہانِ ممالک کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفراء: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب وعجم کے شاہانِ ممالک اور سربراہان حکومت کے پیس دعوتی خطوط بھیجے تھے ان کو ایمان وتوحید اختیار کرکے فلاح یاب ہونے کی دعوت دی تھی جن حضرات صحابہ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ سفیرِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے شہرت پائیں ان کے نام یہ ہیں:

) ۱ (عمرو بن امیہ کو شاہ حبشہ نجاشی کے پاس بھیجا۔

) ۲ (دحیہ کلبی کو قیصر روم ہرقل کے پاس بھیجا۔

) ۳ (عبد اللہ بن حذافہ کو کسرائے فارس کے پاس بھیجا

) ۴ (حاطب بن ابوبلتعہ کو شاہ اسکندریہ مقوقس کے پاس بھیجا

) ۵ (عمرو بن العاص کو شاہ عمان کے پاس بھیجا

) ٦ (سلیط بن عمر کو یمامہ کے رئیس ہودہ بن علی کے پاس بھیجا

) ٧ (شجاع بن وہب کو شاہ بلقا کے پاس بھیجا

) ٨ (مہاجر بن امیہ کو حارث حمیری شاہِ حمیر کے پاس بھیجا

) ٩ (علاء بن حضرمی کو شاہ بحرین منذر بن ساوی کے پاس بھیجا

) ١٠ (ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو اہل یمن کی طرف اپنا نمائندہ بنا کر روانہ فرمایا۔

کاتبین وحی رسالت: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے، امی ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی امتیاز ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کی ایک واضح دلیل ہے کہ ایک امی لقب رسول نے دنیائے انسانیت کو ایسا کلام دیا جس کی فصاحت و بلاغت اور لذت وحلاوت کے سامنے فصحائے عرب سرنگوں نظر آتے ہیں اور قیامت تک دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ لہٰذا جب قرآن مجید کی آیات کریمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل ہوتی تھیں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مختلف صحابہ کرام سے ان کی کتابت کرواتے تھے کاتبین وحی کے اسماء حسب ذیل ہیں، نیز انھیں میں سے خطوط و فرامین لکھنے والے ہیں:

حضرت ابو بکر صدیق، عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عامر بن فہیرہ، عبد اللہ بن ارقم، اُبی بن کعب، ثابت بن قیس بن شماس، خالد بن سعید، حنظلہ بن ربیع، زید بن ثابت، معاویہ بن ابی سفیان، شرجیل بن خسنہ۔ رضی اللہ عنہم۔

جن کو خصوصیت حاصل تھی: حضرت زید بن حارثہ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے حد درجہ پیار فرماتے تھے، جب زید بن حارثہ کہیں سفر سے واپس آتے تو فرطِ شوق سے لپک کر گلے لگاتے تھے حضرت اسامہ بن زید کی کسی بات کو رد نہیں کرتے تھے یہ حب الرسول سے مشہور تھے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین ان سے سفارش کراتے تھے، حضرت سلمان فارسی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ فرمایا، سلمان منا اہل بیت کہ سلمان ہم اہلِ بیت میں سے ہیں۔ حضرت بلال اور حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابوذر غفاری، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم محبوبین مخصوصین میں شمار ہوتے تھے۔

ازواج مطہرات: وفات کے وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں کل نو ازواج مطہرات تھیں، یہ بیویاں تھیں جن کے فضائل قرآن کریم میں آئے ہیں کہ تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو، ینسآء النبی لستن کاحدٍ من النساء (سورہ احزاب) یہ حرم نبی ہیں ان کو دنیا کی تمام عورتوں میں خصوصی امتیاز وفضیلت حاصل ہے۔

(۱) حضرت سودہ بن زمعہ رضی اللہ عنہا ان سے قبلِ ہجرت نکاح فرمایا۔

(۲) حضرت عائشہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہا ان سے بھی ہجرت سے قبل نکاح ہوا اور رخصتی مدینہ میں ایک ہجری میں ہوئی۔

(۳) حضرت حفصہ بن عمر رضی اللہ عنہا ان سے شعبان ۳ھ میں نکاح فرمایا۔

(۴) حضرت ام سلمہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہا ان سے شعبان ۴ھ میں نکاح فرمایا۔

(۵) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ان سے ۵ھ میں نکاح فرمایا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن ہیں۔

(۶) حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا ان سے ۶ھ میں نکاح فرمایا اور خلوت ۷ھ میں ہوئی۔

(۷) حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ان سے ۶ھ میں نکاح فرمایا۔

(۸) حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا ان سے ۷ھ میں نکاح فرمایا۔

)   ۹   (حضرت صفیہ بنت حی بنت اخطب رضی اللہ عنہا ان سے ۷ھ میں نکاح فرمایا یہ یہودی سردار کی صاحبزادی تھیں۔

)   ۱۰   (حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد رضی اللہ عنہا آپ نے سب سے پہلے انھیں کی خواہش و پیغام پر نکاح کیا تھا جب کہ آپ کی عمر شریف ۲۵ سال تھی اور وہ بیوہ چالیس سال کی باعزت مالدار خاتون تھیں آپ کی تمام اولاد سوائے حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کے انھیں کے بطن سے ہیں یہ ہجرت سے قبل وفات پا گئیں تھیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بہت قدر فرماتے تھے ہمیشہ یاد کرتے رہے۔

)   ۱۱   (حضرت زینب بن خزیمہ رضی اللہ عنہا ان سے ۳ھ میں نکاح فرمایا مگر دو یا تین ماہ کے بعد یہ وفات پا گئیں۔

اولاد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد سوائے حضرت ابراہیم بن محمد علیہ السلام کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا جن کا نکاح ابوالعاص سے ہوا تھا حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ان دونوں صاحبزادیوں کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہوا پہلے رقیہ سے، ان کی وفات کے بعد ام کلثوم سے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی اور سب سے محبوب صاحبزادی تھیں، ان کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا تھا۔

انھیں صاحبزادی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب چلا ہے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما انھیں کے بطن سے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ کو جاری رکھنے والے ہیں۔

حضرت عبداللہ جن کا لقب طاہر اور طیب ہے اور حضرت قاسم یہ دونوں صاحبزادے بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، ہجرت سے قبل مکہ میں وفات پائے حضرت قاسم عَلَیْہِ السَّلَام حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے یہ دو تین سال کے بعد وفات پائے۔

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ایک جھلک ہے سیرۃ مبارکہ کا مطالعہ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مسلمان نمونہ کامل بنانے پر قادر نہیں ہو گا آپ جہاں داعی بر حق ہیں تو وہیں انسانِ کامل بھی ہیں۔ آپ شوہر بھی ہیں آپ باپ بھی ہیں، آپ خسر بھی ہیں آپ داماد بھی ہیں، آپ تاجر بھی ہیں آپ قائد بھی ہیں۔ آپ سپہ سالار بھی ہیں آپ مظلوم بھی ہیں، آپ مہاجر بھی ہیں آپ نے زخم بھی کھائے آپ نے مشقت بھی جھیلی آپ نے بھوک بھی برداشت کی آپ نے بکریاں بھی چرائیں آپ نے سیادت بھی فرمائی۔ آپ نے معاملات بھی کیے، آپ نے لین دین بھی فرمایا، آپ نے قرض بھی لیا، آپ نے ایک انسان کی حیثیت سے معاشرہ کا ہر وہ کام کیا جو ایک انسان فطری طور پر کرتا ہے۔ اس لیے آپ کو نمونہ بنائے بغیر نہ کوئی کامیاب باپ، شوہر، خسر، داماد، تاجر وسپہ سالار بن سکتا ہے اور نہ ہی حق تعالیٰ کی کماحقہ اپنی طاقت بھر اطاعت وعبادت کر سکتا ہے آپ کی سیرت طیبہ حیات انسانی کے ہر گوشہ کا کامل احاطہ کرتی ہے۔

صداقت و امانت کے ایسے گرویدہ کہ بچپن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم الصادق الامین کے لقب سے یاد کیے جانے لگے

* * * مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر۔ کراچی * *

یَاصَاحِبَ الْجَمَالِ وَیَاسَیِّدَ الْبَشَرِ

مِنْ وَجْہِکَ الْمُنِیْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرُ

لَایُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَاکَانَ حَقَّہٗ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اے صاحب جمال کل اے سرورِ بشر

رُوئے منیر سے ترے روشن ہوا قمر

ممکن نہیں کہ تیری ثنا کا ہو حق اَدا

بعد از خدا بزرگ تو ہے قصہ مختصر

رسول کے اِبتدائی حالات:

نسب شریف:

سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم۔

کنیت:

ابو القاسم۔

وَالدہ کا نام:

آمنہ بنت وہب۔

وِلادت:

بروز پیر 12 ربیع الاوّل عام الفیل۔

وَالد ماجد کا اِنتقال وِلادت سے قبل ہی بحالتِ سفر مدینہ منورَہ میں ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب نے کی اور سیدہ حلیمہ سعدیہؓ نے دودھ پلایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 6 سال کی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھال لے گئیں۔ واپسی میں بمقامِ ابواُن کا انتقال ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش اُمّ ایمن کے سپرد ہوئی۔ 8 سال کے ہوئے تو دادا کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا، کفالت کا ذمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب نے لیا۔ 9 سال کی عمر میں چچا کے ساتھ شام کا سفر فرمایا اور 25 سال کی عمر میں شام کا دوسرا سفر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی تجارت کے سلسلہ میں فرمایا اور اس سفر سے واپسی کے 2 ماہ بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے عقد ہوا۔ 35 سال کی

عمر میں قریش کے ساتھ تعمیرِ کعبہ میں حصہ لیا اور پتھر ڈھوئے۔ حجرِ اسود کے بارے میں قریش کے اُلجھے ہوئے جھگڑے کا حکیمانہ فیصلہ فرمایا جس پر سبھی خوش ہو گئے۔

تعلیم و تربیت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یتیم پیدا ہوئے تھے اور ماحول و معاشرہ سارا بت پرست تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی ظاہری تعلیم و تربیت کے نہ صرف ان تمام آلائشوں سے پاک صاف رہے بلکہ جسمانی ترقی کے ساتھ ساتھ عقل و فہم اور فضل و کمال میں بھی ترقی ہوتی گئی یہاں تک کہ سب نے یکساں و یک زبان ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق و امین کا خطاب دیا۔

مری مشّاطگی کی کیا ضرورت حسنِ معنی کو

کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالہ کی حنابندی

خلوت و عبادت:

بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند قیراط پر اہلِ مکہ کی بکریاں بھی چرائیں مگر بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت پسند آئی چنانچہ غارِ حرا میں کئی کئی راتیں عبادت میں گزر جاتیں۔ نبوت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے خواب دیکھنے لگے، خواب میں جو دیکھتے ہو بہو وہی ہو جاتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستورِ تعلیم:

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا ہر پہلو نرالا اور اُمت کے لیے مینارِ ہدایت ہے، اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریعی دور نبوت کے بعد شروع ہوتا ہے لیکن اس سے پہلے کا دور بھی چاہے بچپن کا دور ہو یا جوانی کا اُمت کے لیے اس میں ہدایت موجود ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ پینے کا زمانہ ہے لیکن اتنی چھوٹی عمر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عدل و انصاف پسند ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کا خیال فرماتے ہیں۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ

عنہا ایک طرف کا دودھ پلا کر دوسری طرف پیش فرماتی ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے قبول نہیں فرماتے کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ شریک بھائی کا حق ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن سے اجتماعی کاموں میں اتنا لگاؤ اور دلچسپی ہے کہ جب بیت اللہ شریف کی تعمیر ہو رہی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریشِ مکہ کے ساتھ پتھر اٹھا کر لا رہے ہیں۔

اور شرم وحیاء اتنی غالب ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ننگے کندھے پر پتھر اُٹھا کر لا رہے ہیں تو ترس کھاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہ بند کھول کر کندھے پر رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرم کے مارے بے ہوش ہو کر گر پڑے، یہ فرماتے ہوئے کہ میری چادر مجھ پر ڈال دو۔

کسب حلال کی یہ اہمیت کہ قریش کی بکریاں چراتے اور اس کی مزدوری سے اپنی ضروریات پوری فرماتے اور جب اور بڑے ہوئے تو تجارت جیسا اہم پیشہ اختیار فرمایا اور ''التاجر الصدوق الامین'' (امانت دار سچے تاجر) کی صورت میں سامنے آئے۔

معاملہ فہمی اور معاشرے کے اختلافات کو ختم کرنے اور اس میں اتحاد واتفاق پیدا کرنے کی وہ صلاحیت ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حجرِ اسود کو اپنی جگہ رکھنے پر قریش کی مختلف جماعتوں میں اختلاف پیدا ہوا اور قریب تھا کہ ناحق خون کی ندیاں بہہ جاتیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فیصلہ فرمایا جس کی سب نے تحسین کی اور اس پر راضی ہو گئے۔

صداقت وامانت کے ایسے گرویدہ کہ بچپن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم الصادق الامین کے لقب سے یاد کیے جانے لگے اور دوست تو دوست دشمن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وصف کا اقرار کرتے تھے چنانچہ قبائلِ قریش نے ایک موقع پر بیک زبان کہا: ہم نے بارہا تجربہ کیا مگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمیشہ سچا پایا۔ یہ سب قدرت کی جانب سے ایک غیبی تربیت تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگے چل کر نبوت ورسالت کے عظیم مقام پر فائز کرنا تھا اور تمام عالم کے لیے مقتدیٰ بنانا تھا اور امت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو بطورِ اُسوۂ حسنہ پیش کرنا تھا۔

” بلاشبہ اے مسلمانو! تم کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات میں عمدہ نمونہ ہے ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ کی ملاقات کا اور قیامت کے دن کا خوف رکھتا ہے اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہے۔“(الاحزاب 21)

نبوت:

جب سنِ مبارک 40 کو پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں تھے کہ جبرئیل علیہ السلام سورۃ اقراء کی ابتدائی آیتیں لے کر نازل ہوئے۔ اس کے بعد کچھ مدت تک وحی کی آمد بند رہی، پھر لگاتار آنے لگی۔

وحیٔ آسمانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانے کے لیے جبریلِ امین علیہ السلام کا انتخاب ہوا جن کو ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام اور باری تعالیٰ کے درمیان واسطہ بننے کا شرف حاصل تھا اور جن کی شرافت، قوت، عظمت، بلند منزلت اور امانت کی خود اللہ نے گواہی دی ہے۔

” بے شک یہ (قرآن) ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا کلام ہے جو بڑی قوت والا صاحبِ عرش کے نزدیک ذی مرتبہ ہے، وہاں اس کی بات مانی جاتی ہے اور وہ امانت دار ہے۔“(التکویر 21-19)۔

اس وحیٔ الٰہی کی روشنی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تربیت ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اعتبار سے کامل بن گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو اُمت کے لیے ایک بہترین اُسوۂ حسنہ بن کر سامنے آگیا۔ امت کے ہر فرد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک اعلیٰ مثال ہے، جسے وہ سامنے رکھ کر زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کر سکتا ہے۔

دعوت و تبلیغ:

اِبتداءً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوشیدہ طور پر دعوت و تبلیغ کا سلسلہ شروع فرمایا۔ ابتدائی دعوت پر عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، مردوں میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، آزاد شدہ غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اِیمان لائے، ان کے بعد بہت سے آزاد اور غلام اس دولت سے بہرہ مند ہوئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علانیہ دعوت و تبلیغ کا حکم ہوا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قوم کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور بت پرستی چھوڑنے کی دعوت پوری قوت سے شروع کی۔ بعض نے مانا اور بعض اپنی گمراہی پر قائم رہے۔

ہجرتِ حبشہ:

قوم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو طرح طرح سے ستانا شروع کیا چنانچہ 5 نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو حبشہ ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا۔ یہ سب سے پہلی ہجرت تھی۔ اسی سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

7 نبوی میں قریش نے بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب کے خلاف ایک معاہدہ پر دستخط کیے کہ جب تک یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حوالے نہیں کرتے اُس وقت تک ان سے ہر قسم کا مقاطعہ کیا جائے۔ اس کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شعب ابی طالب میں نظر بند کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہجرتِ حبشہ کا حکم فرمایا۔ یہ دوسری ہجرت کہلاتی ہے۔

10 نبوت میں قریش کے بعض افراد کی کوشش سے یہ معاہدہ ختم ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آزادی ملی۔ اسی سال نصاریٰ نجران کا ایک وفد مسلمان ہوا، اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غم گسار زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ قریش کی اِیذا رسانی اور بڑھ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل طائف کی تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے۔ اُنہوں نے ایک نہ سنی بلکہ اُلٹا درپے ایذاء ہوئے۔ یہ سال "عام الحزن" (غم کا سال) کہلاتا ہے۔

11 نبوت، اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی۔ پنج گانہ نماز فرض ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر عرب کے مختلف قبائل کو دعوت دی چنانچہ مدینہ کے قبیلہ خزرج کے 6 آدمی مسلمان ہوئے۔

12 نبوت، اس سال اوس و خزرج کے 12 افراد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ یہ بیعت عقبہ ٔاولیٰ کہلاتی ہے۔

13 نبوت، اس سال مدینہ کے 70 مردوں اور 20 عورتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ یہ بیعت عقبہ ٔثانیہ کہلاتی ہے۔

ہجرتِ مدینہ:

مدینہ میں اسلام کی روشنی گھر گھر پھیل چکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو ہجرتِ مدینہ کا حکم فرمایا۔ قریش کو پتہ چلا تو انہوں نے دار الندوۃ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ منصوبہ خاک میں ملا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے گھیرے سے باطمینان نکلے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے، ان کو ساتھ لے کر غارِ ثور تشریف لے گئے، یہاں 3 دن رہے، پھر ہجرت فرمائی اور مدینہ کی نواحی بستی قُبا پہنچے۔

1 ھ: اِسلام کا نیا دور:

یہاں سے اِسلام کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ قبا میں 14 دن قیام رہا۔ وہاں ایک مسجد بنائی، وہاں سے مدینہ طیبہ منتقل ہوئے۔ حضرت ابو ایوب اَنصارِی رَضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا۔ مسجد نبویؐ کی تعمیر فرمائی، اذان شروع ہوئی اور جہاد کا حکم ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت وجہاد کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعتیں بھیجنا شروع کیں۔

سرایا و غزوات:

جس جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک ہوئے اسے غزوہ کہتے ہیں اور جس میں خود نہیں گئے، صحابہؓ کی جماعت کو بھیجا، اسے سریہ کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرایا کی تعداد 47 ہے اور غزوات کی تعداد 27 ہے۔ اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 3 دستے (سریے) روانہ فرمائے لیکن مقابلہ نہیں ہوا۔

اطاعتِ رحمۃً للعالمین ﷺ میں مضمر، حبِ رب العالمین

منگل 10 اکتوبر 2017 3:00

آپ کی لائی ہوئی شریعت کے بعد کوئی بندہ اس امر کا مجاز نہیں کہ اپنی خواہش سے اس میں سے اخذ کرے اور اپنی مرضی سے جسے چاہے ترک کرے

* * *ڈاکٹر سعید عنایت اللہ۔مکہ مکرمہ* * *

اللہ تعالیٰ، خالق مطلق کی جملہ مخلوقات میں جنہیں اس نے نور سے، نار سے یا مٹی سے بنایا، سب میں عظیم تر مخلوق حضرت انسان ہے۔ پھر انسانوں میں انسان کامل، بے مثل بشر، سید الانبیاء، افضل المرسلین جناب محمد رسول اللہ ہیں۔ وہ اہل ایمان کے لئے اللہ کی مخلوق میں جب تک محبوب اعظم نہ ہوں، کوئی بندہ ایمان کے دروازے سے داخل ہی نہ ہوسکے۔ فرمان نبوی ہے کہ ”تم میں کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے والدین، اس کی اولاد اور دیگر تمام لوگوں سے اسے زیادہ عزیز نہ ہوجاؤں“ بلکہ اگر کسی شخص کو رسول اکرم سے زیادہ کوئی دوسرا شخص عزیز ہوا تو یہ علامت ہے غضبِ رب کو دعوت دینے کی۔ ارشاد ربانی ہے ”اے نبی ()! کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز واقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار

جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسول ()
اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے
"(التوبہ 24) یعنی اس امر پر اللہ تعالیٰ نے اپنی پکڑ کی دھمکی دی کہ کوئی چیز اللہ اور رسول سے زیادہ محبوب
نہ ہو جن کا مقامِ عالی یہ ہے کہ آپ کی رسالت پر ایمان اور آپ کی نصرت پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے
عہد و پیمان لیا۔

ارشاد الٰہی ہے "یاد کرو، اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ آج ہم نے تمہیں کتاب اور حکمت و دانش سے
نوازا ہے، کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمہارے
پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہو گا اور اس کی مدد کرنی ہو گی، یہ ارشاد فرما کر اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ
کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ انہوں نے کہا
کہ ہاں، ہم اقرار کرتے ہیں" (آل عمران 81) رب تعالیٰ نے اپنی الوہیت کی شہادت اور جناب محمد رسول
اللہ کی رسالت کی شہادت کو اس طرح مربوط فرمادیا کہ شہادت کا پہلا جز بغیر دوسرے کے اور دوسرا جز
بغیر پہلے کے نہ صرف نا تمام ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود و نا قابل اعتبار ہے۔

اسی امر کا اعلان اور اسی مقام کی شہادت، با آواز بلند، دنیا کے شرق و غرب، شمال و جنوب کو رات دن، اللہ
تعالیٰ کی طرف بلانے والے اپنی اذان میں اشہد ان لا الہ الا اللہ اور اشہد ان محمد ارسول اللہ کہہ کر دیتا ہے۔
پھر اپنی نماز میں بھی اسی شہادت کے اعتراف کو دہراتا ہے۔ آفتابِ رسالت محمد، یہ ایسا سراج منیر ہے کہ
طلوع ہوا تو تا قیامت چڑھتا ہی چلا جائے گا، اسے غروب نہیں، ظاہر ہوا تو ظاہر ہی ہوتا چلا جائے گا۔ رب
تعالیٰ نے اپنے رسول () کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ آپ کو دنیا کے تمام ادیان پر غالب
فرمادے، چاہے کافروں اور مشرکوں کو یہ بات ناپسند لگے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے اور اس کا ہر فیصلہ انسانی
تدبیروں پر غالب ہی رہتا ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جس میں تبدیلی نہیں۔ سید المرسلین پر نازل
ہونے والی شریعت خاتم الشرائع ہے، اس کے بعد رب تعالیٰ کی طرف سے نئی ہدایات، نئی شریعت، نئی
آیات، نئی آحادیث، نئے کلام کا تصور یا خیال در اصل رب کے فیصلے اور اس کے رسول کی خاتمیت پر بے

یقینی ہے۔ اس کے اختیار میں عیب جوئی اور نقص ہے۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس میں شک وریب نہیں۔

وہ وحیِ ربانی ہے، وحیِ متلو ہے، وہ متواتر طور پر منتقل ہوا۔ نزول سے آج تک سینوں میں محفوظ پھر اوراق میں مسطور مگر اس کا نزول کتاب کی شکل میں بیک وقت نہیں ہوا بلکہ اسے مہبط وحی، قرآن مجسم کے قلب مبارک پر، روح الامین لیکر آئے۔ اس قرآن ناطق کے لئے مہبط بھی ہمارے پیارے نبی قرآن مجسم ہیں جن کے بارے میں ام المومنین عائشہ صدیقہ بنت صدیق اکبرؓ فرماتی ہیں کہ ''آپ مجسم قرآن کامل تھے'' جناب محمد رسول اللہ کی یہ شان ہے کہ ''وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے، یہ تو ایک وحی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے'' جناب خاتم النبیین جب فرمائیں گے تو وحی سے فرمائیں گے، آپ کسی امر پر خاموش رہیں تو یہ آپ کی طرف سے اقرار اور تشریع سمجھی جائے اور آپ کا ہر قول، ہر فعل، ہر تقریر اور ہر امر حدیث مقدس شمار ہوگی جس کو نقل کرنے کے لئے ثقہ رجال، متصل سند کے ساتھ، زمانۂ تعلق سے زمانۂ جمع تک پھر آج تک اور قیامت تک مامور تھے، ہیں اور رہیں گے۔ وہ ذات گرامی جن کی نبوت ورسالت جملہ انسانیت کے لئے نعمت ربانی ہے، وہ ایسی نعمت ہے جس کو بقا حاصل ہے، جو بندوں کو ملنے کے بعد ان سے سلب نہ ہو، یہی حضرت خاتم النبیین کی ختم نبوت کا مفہوم ومدلول ہے۔

چونکہ رسول اکرم کی رسالت وشریعت بھی حضرت خاتم النبیین کی طرح خاتم الشرائع ہے تو آپ کی امت بھی خیر امت ہے، وہ امتِ وسط بھی ہے اور خاتم الامم بھی ہے۔ ہمارے اور انسانیت کے یہ اعزازات اللہ کے فضل وکرم سے اور رحمت رب العالمین کے اس مقام عالی کے سبب ہیں۔ یہی وجہ ہے آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کذب ودجل ہے اور ہر مدعیٔ نبوت کذاب ودجال اور اس دجال کی امت بھی شر الامم ہے۔ جب جنابِ محمد رسول اللہ رب العالمین کی طرف سے رحمت للعالمین ہیں تو آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ اس رحمت سے انسانیت کو محروم کرنے کی ایسی سازش ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بغاوت ہے اور بغاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ کی سلطنت میں سب سے بڑا مجرم ہے۔ وہ انسانیت کے ساتھ بھی دھوکہ دہی کرنے کی سزا کا موجب ہے کیونکہ صرف ہمارے رسول اکرم ہی کو یہ حکم ہوا کہ آپ یوں اعلانِ رسالت

فرمائیں ”(اے محمد!) کہو کہ اے انسانو، میں تم سب کی طرف اس اللہ کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے“(الاعراف158)

کوئی کسی زمانہ کا ہو، دنیا کے کسی کونے میں رہتا ہو، وہ آپ کی دعوت سے خارج و مستثنیٰ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان صرف آپ ہی کے بارے میں ہے ”اور (اے نبی!) ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لئے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے“(سباء28) صرف آپ ہی کو جملہ انسانوں کے لئے تمام شعبہ ہائے زندگی میں نمونہ بنایا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول() میں ایک بہترین نمونہ تھا“(الاحزاب 21) آپ کی لائی ہوئی شریعت کے بعد کوئی بندہ اس امر کا مجاز نہیں کہ اپنی خواہش سے اس میں سے اخذ کرے اور اپنی مرضی سے اس میں سے جسے چاہیں ترک کرے۔ ارشاد ربانی ہے ”جو کچھ رسول() تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ“(الحشر 7) ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول () کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول() کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا“(الاحزاب36) صرف جناب محمد رسول اللہ کی ذات گرامی ہے جن کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے ”جس نے رسول () کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی“(النساء80) خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا”(اے نبی!لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا“(آل عمران 31) جب تک قرآن باقی ہے، یہ اعلان بھی باقی رہے گا۔ یہی آپ کا وہ مقامِ رحمت للعالمین ہے جو محبت رب العالمین کی دلیل ہے۔ یہ اس عظیم ہستی کا کچھ تعارف ہے۔ ہمیں اس وقت ٹھنڈے دل سے اس امر میں غور کرنا ہے کہ جو رسول جملہ انسانیت کے لئے رحمت ،ان کے لئے نجات دہندہ بنکر آئے، وہ انہیں ان کے جملہ بحرانوں سے نکالنے والے ہوں، ان کے اقتصادی، ان کے معاشرتی اوران کے خلاقی بحرانوں کے حل لے کر آئے ہوں، جو ان کی دنیاوآخرت کی

صلاح وفساد کا واضح بیان لے کر آئے، جنہوں نے اپنی سیرت سے اللہ تعالیٰ کی شریعت پر عمل کر کے بتایا، اس میں تمہارا کمال ہے، اس میں تمہاری صلاح، اس میں تمہاری نجات ہے، آج ہمارا آپ سے رشتہ، آپ سے محبت، آپ کی غلامی کا ہمارا دعویٰ، کیا ہمارا عمل اسی کی تصدیق کرتا ہے یا تکذیب کر رہا ہے؟ کیا ہمارے کردار میں سیرت مصطفی کی چھاپ ہے؟ وہ ہمارے پیارے نبی جو ہماری زندگی کی نوید لیکر آئے جس طرح اللہ نے فرمایا ”اے ایمان لانے والو! اللہ اور اس کے رسول() کی پکار پر لبیک کہو جبکہ رسول() تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے“ (الانفال 24)

کیا ہمیں وہ حیات جو نبی کی اطاعت سے نصیب ہوتی ہے حاصل ہے؟ یا ہم ”امواتِ غیر احیاء“ ایسے میت ہیں جن میں زندگی ناپید ہو۔ وہ انسان کامل جو اپنی سیرت سے ہمیں انسان بنانے آئے، کیا واقعی ہم ایسے انسان ہیں؟ یا ہم ”کالانعام“ ہیں اور انسانی کردار سے عاری ہو گئے ہیں؟ جو نور بصیرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر آپ مبعوث ہوئے کیا وہ نور ہمیں حاصل ہے؟ کیا ہم اس روشنی میں چل رہے ہیں؟ یا جاہلیت کی ظلمات اور تاریکیوں میں ہیں۔ ہمارا کردار سیرت مصطفی سے میل کھاتا ہے؟ کیا ہم باشعور، باخبر، باکردار، باحیات زندہ انسان ہیں؟ یا اس پتھر کی مانند ہیں جو نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں ایسے انسان جو حق کہنے کو تیار نہیں، حق سننے کو تیار نہیں، حق قبول کرنے کو تیار نہیں، وہ جو ”صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ“ کی تمثیل ہیں۔ ہمیں ان حقائقِ قرآنیہ میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارا رب چاہتا ہے کہ ہم زندہ انسان بنیں، باشعور، باخبر، باکردار، صالحین اور مومنین بنیں، ایسے بندے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ ہو مومن، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے“ (النحل 97) دنیا میں یہ اکرام پھر (اسی آیت میں آگے فرمایا) ”(اور آخرت میں)

ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے“ یہی غرض ہے بعثتِ مصطفی کی، یہی حیات طیبہ ہے جو سچے عاشقوں اور محبین صادقین کو عطا ہوتی ہے۔ ہم غور تو کریں کہ جس نبی کی طرف ہماری نسبت ہے کیونکر آپ نے اپنی قولی دعوت سے پہلے اپنی عملی دعوت پیش کی، ہمیں بھی چاہئے کہ ہم بھی قول و قرار سے پہلے اپنی سیرت کو پیش کریں تاکہ ہماری دعوت باثر ہو۔ آپ کی سیرت کا ہر صفحہ

آفتاب کی طرح روشن ہے۔ ضروری ہے کہ ہم اس سیرت مطہرہ کا مطالعہ محض سوانح عمری اور قصص کو حفظ کرنے کی خاطر سے نہ کریں بلکہ اسوۂ حسنہ کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنانے اور اپنی اصلاح و تعمیر، اپنے مقاصد اور اہداف کی تعیین، ان کے حصول کے لئے جد وجہد، اپنے واجبات کی ادائیگی اوراپنے کردار و سیرت دونوں میں میل پیدا کرنے کے لئے ہو۔ حضرت عائشہ نے تو آپ کی سیرتِ مطہرہ کے بارے جو بات فرمائی اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ قرآنِ ناطق اور قرآنِ مجسم تھے۔

دراصل ہدایات ربانی اور اس کی عملی تطبیق کے یہ دو مظہر ہیں جن کی طرف ہم مسلمان منسوب ہیں اور جن کی طرف ہماری نسبت ہمارے لئے باعث شرف ہی نہیں بلکہ باعث ہمت و عزیمت بھی ہے جس کا تقاضا ہے کہ مسلمان سنجیدگی سے فیصلہ کریں کہ انہیں ان ہدایاتِ ربانی کو اپنی عملی زندگی میں لانا ہے۔ ان سطور میں ہم نے اپنے قارئین کے لئے آپ کی سیرت طیبہ میں سے 2 اقتباسات اور ایک تیسرا اقتباس آپ کی مثالی اطاعت سے پیش کریں گے۔ قبل اس سے کہ ہم ان اقتباسات کو بیان کریں پھر اپنے کردار کو سیرت مصطفی سے موازنہ کریں، ہمیں اس معاشرہ پر نگاہ ڈالنی ہے جس میں آپ کی بعثت ہوئی۔ اس معاشرے کی دینی حالت جو ضلال مبین کا مظہر اتم تھی، وہاں معبود برحق کی توحید کی بات تو کجا، خود اس کا گھر (بیت اللہ) صنم کدہ بنا ہوا تھا، ہر گھر کا اپنا معبود، اپنے معبودوں کو خود بناتے یا خریدتے اور فروخت کرتے پھر پوجتے۔ اس معاشرے میں انسانی رحمت و شفقت خود اپنی ضعیف وناتواں اولاد کے لئے نہ تھی تو دیگر کے لئے کہاں ہوتی؟ محرمات پر فخر کرنے والے حلال وحرام کی کیا تمیز رکھتے جن کے ہاں امن کی یہ حالت ہے کہ وہ سفر واسفار اور تجارتوں کی غرض سے بھی صرف حرمت والے مہینوں میں نکلتے۔

کس طرح ہادیٔ برحق، نبیٔ خاتم جناب محمد رسول اللہ نے اس معاشرہ کو صالح معاشرہ اور اس زمانے کے انسانوں کو پوری دنیا کے لئے نمونہ کا انسان بنادیا۔ آپ کے پاس اس عظیم الشان انقلاب برپا کرنے کے لئے کون سی عسکری قوت، عددی طاقت اور افرادی کثرت تھی کہ آپ قوت کے بل بوتے پر کسی خونی انقلاب کے ذریعہ اس معاشرے کے فساد کو ختم کرتے، ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ آپ کا انقلاب دلوں کا انقلاب تھا، اخلاق کا انقلاب تھا اور اعمال کا انقلاب تھا۔ رہی قوت یا عددی طاقت تو آپ خود یتیم پیدا ہوئے، بچپن

ہی میں والدہ کا سایہ اٹھ گیا، پھر مربی دادا اور چچا بھی اس دنیائے فانی سے رحلت کر گئے۔ اب آپ کا بچپن ،لڑکپن، شباب الغرض 40 سال نبوت سے قبل آپ نے کس طرح اپنے معاشرہ میں صدق وامانت سے گزارے جو انسانوں کے سامنے کھلی کتاب ہے۔ سیرت کا ہر پہلو مدون ہے، ہر زبان میں میسر ہے۔

آپ کی ولادت، رضاعت، طفولیت، شباب، صداقت، عفت، امانت، آپ کے خطوط وجواب، آپ کی مکی زندگی، ہجرت، مدنی زندگی، غزوات، اہل مکہ سے فتح کے بعد ملاقات، پھر رفیق اعلیٰ سے ملاقات، ان تمام واقعات وحالات کو صحابہ کرامؓ نے محفوظ رکھا۔ جامعین سنت اور اہل سیر نے مدون و محفوظ فرمادیا۔ الغرض جب رسول اکرم اپنی عمر مبارک کے 40 ویں سال میں قدم رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے خلوت کو محبوب بنادیا تو آپ غار حرا جو شہر سے باہر، نہ بہت دور نہ بہت قریب، پہاڑ کی چوٹی نہ بہت بلند، نہ بہت پست میں تشریف لے جاتے، کئی کئی راتیں گزارتے جو تعبد میں گزرتیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ کے اوپر وحی کا آغاز ایسے خوابوں سے ہوا جو صبح کی روشنی کی طرح واضح ہوتیں پھر آپ کے لئے خلوت کو محبوب بنادیا گیا۔ آپ غار حرا میں کئی کئی راتیں گزارتے، پھر گھر لوٹتے، حضرت خدیجہؓ کے ہاں سے مقدار ضرورت زاد لے جاتے، یہ خلوت برائے تعبد ہوتی۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس وہیں غار حرا میں حق آگیا اور جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آگئے۔ گویا جاہلیت کی ہر خصلت سے اپنے نبی کی حفاظت اور عصمت، خلوت سے محبت، اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتخاب، اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی جانب سے وحی کا نزول، یہ سب امور من جانب اللہ تھا، اپنے نبی () کے لئے۔ یاد رکھیں کہ نبوت، انسانی پلاننگ، کسی کے انتظار یا انسانی تعلیم وتربیت کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ یہی نبوت حقہ اور نبوت کاذبہ میں واضح فرق ہوتا ہے۔ خود حق تعالیٰ آپ کو مخاطب ہو کر فرماتے ہیں ”ہم نے اپنے حکم سے ایک روح تمہاری طرف وحی کی ہے، تمہیں تو کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے“ (الشوریٰ 52)'

اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب پر فضل و کرم اس درجہ ہے اور آپ کے اخلاق عظیمہ اس پائے کے ہیں کہ عقل اس کا احاطہ نہیں کر سکتی

* * * * حافظ محمد ہاشم صدیقی۔ جمشید پور، ہند * * *

مالکِ کائنات اللہ رب العزت کے بعد سب سے بزرگ و برتر، سب سے اولیٰ و اعلیٰ، حبیب کبریا، امام الانبیا، فخر رسل، باعثِ تخلیق ہر جز و کل، خیر البشر، محسنِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ جانِ رحمت کی بے مثال شخصیت پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں، مقالات اور مضامین سپردِ قلم کئے گئے اور کئے جارہے ہیں۔ آنے والی صبحِ قیامت تک لکھے جاتے رہیں گے۔ شعرانے قصائد اور نعتوں کے ذریعہ آپ سے محبت کے اظہار کو باعثِ سعادت و سرفرازی سمجھا ہے مگر سچ اور حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا اور حق ادا بھی کیسے ہو؟ محمد الرسول اللہ کی عظمت و رفعت خداوند کریم کا ایسا عطیہ ہے جو انسان کے تصور سے ماورا ہے۔ عاجز ہو کر انسان کو یہی کہنا پڑتا ہے

لا یمکن الثناء کما کان حقہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آپ کے اوصافِ جمیلہ، آپ کے خلقِ عظیم، حسنِ کردار اور مبارک تعلیمات کا تذکرہ قرآن کریم نے بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے اور آپ کے اخلاق کو عظیم فرمایا، اور فرمایا: حضور کا خلق قرآن ہے۔ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ''اور بے شک تمہاری خُو بڑی شان کی ہے۔'' (القلم 4)۔

معلوم ہوا کہ کوئی بھی حضور کے اخلاق اور اوصاف کو کما حقہ بیان نہیں کر سکتا۔

آپ عظیم ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں کو قلیل فرمایا ہے۔ قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡیَا قَلِیۡلٌ ''دنیا کا مال و متاع قلیل ہے۔''

اس کے باوجود کوئی شخص دنیا کی نعمتیں شمار نہیں کر سکتا۔ فرمانِ الٰہی ہے: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْ ہَا"تم ہماری دی ہوئی نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتے۔"

جب قلیل کو شمار کرنا غیر ممکن ہے تو جسے رب تعالیٰ عظیم کہے اس کے اوصاف کریمانہ شمار کرنے کی کس کو طاقت ہے۔

تیرے خُلق کو حق نے عظیم کہا، تیری خَلق کو حق نے جمیل کیا

کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا، تیرے خالق حسن و ادا کی قسم

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا، نہ کسی کو ملے، نہ کسی کو ملا

کہ کلام مجید نے کھائی شہا تیرے شہر و کلام و بقا کی قسم

آپ کے اخلاقِ کریمانہ:

خلقِ عظیم وہ نعمت اعلیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعلیم اپنے حبیب پاک کو اس آیتِ مبارکہ میں فرمائی ہے: خُذِ العَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاہِلِیْنْ "درگزر کی عادت اپناؤ، نیکی کا حکم دو اور جاہلوں کو منھ نہ لگاؤ۔"(الاعراف 199)۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی نبی اکرم نے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام سے اس بات کی وضاحت چاہی۔ انھوں نے فرمایا: اُوْتِیْتُ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ اَنْ تُصَلِّی مَنْ قَطَعَکَ وَتُعْطِی مَنْ حَرَمَکَ وَتَعْفُوْ عَمَّنْ ظَلَمَکَ "آپ کو بہترین اخلاق عطا کئے گئے ہیں، جو آپ سے قطع تعلق کرے اسے اپنے ساتھ ملائیں، جو آپ کو نہ دے آپ اسے عطا کریں، جو آپ پر ظلم کرے اسے آپ معاف کر دیں۔"

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب پر فضل و کرم اس درجہ ہے اور آپ کے اخلاق عظیمہ اس پائے کے ہیں کہ کوئی بھی عقل اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔

سیرت طیبہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہوتی ہے کہ نبی اکرم نے ان مراتب عالی کو آخری حد تک پہنچا دیا جس کے آگے بڑھنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقُ ''مجھے بہترین اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔'' (سنن ابی داؤد)۔

حضرت حسنین نور قدس سرہ فرماتے ہیں: نبی اکرم کا خُلقِ عظیم کیوں نہ ہو گا جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دلِ اقدس پر اخلاقِ عظیم واخلاقِ کریمہ کے انوار کی تجلی فرمائی ہے۔

علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہ فرماتے ہیں: آپ کا خلق عظیم ہے، کیونکہ آپ عظیم ذات کے مظہر ہیں اس لئے عظیم کا خلق بھی عظیم ہے۔

سب سے بہتر اور جامع تفسیر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمائی ہے۔ حضرت سعد بن ہشام فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا، اے ام المؤمنین! مجھے نبی اکرم کے خلق کے بارے میں بتائیں۔ انھوں نے فرمایا: کیا تم قرآن پاک نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا: میں پڑھتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا: فَاِنَّ خُلِقَ نَبِیِّ اللّٰہِ کَانَ الْقُرْآن ''نبی کا خلق قرآن ہے۔'' (صحیح مسلم، کتاب صلاۃ مسافرین، باب صلاۃ الیل)۔

ایک اور روایت میں ہے۔ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی سورہ مؤمنون کی ابتدائی آیتیں پڑھو، یہ آپ کا خلق ہے (مسلم بن الحجاج قشیری، مسلم شریف)۔

نبی کریم کا عفو وصبر کی تعلیم:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیں۔ آپ تشریف فرما تھے (رسول اللہ اس شخص کے مسلسل گالیاں دینے پر اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کے صبر کرنے اور چپ رہنے پر) تعجب اور تبسم فرما رہے تھے، پھر جب اس آدمی نے بہت ہی زیادہ گالیاں دیں (اور زبان کو روکا ہی نہیں) تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی بعض باتوں کو اس پر الٹ دیا اور کچھ جواب دیا تو رسول اللہ ناراضگی کے ساتھ وہاں سے اٹھ کر چل

دیئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس بات کی فکر لاحق ہوئی اور وہ جلدی سے معذرت کیلئے اور حضور کی ناراضگی کا سبب معلوم کرنے کیلئے آپ کے پیچھے چلے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ' حضور کے پاس پہنچے اور عرض کیا: یارسول اللہ (یہ کیابات ہوگئی کہ) وہ شخص مجھے گالیاں دیتا رہا اور آپ وہاں تشریف فرمارہے، پھر جب میں نے کچھ جواب دیا تو آپ ناراض ہو کر چلے آئے؟ حضور نے ارشاد فرمایا: جب تک تم خاموش تھے اس وقت تک تمہارے ساتھ ایک فرشتہ تھا جو تمہاری طرف سے جوابدہی کر رہا تھا، پھر جب تم نے خود جواب دینا شروع کر دیا تو وہ فرشتہ تو چلا گیا اور شیطان بیچ میں آگیا (کیونکہ اسے امید ہوگئی کہ وہ لڑائی کو اور آگے بڑھا سکے گا) طاس کے بعد آپ نے فرمایا: اے ابو بکر! 3 باتیں ہیں جو سب کی سب بالکل حق ہیں: ☆ پہلی بات یہ کہ جس بندہ پر کوئی ظلم وزیادتی کی جائے اور وہ محض اللہ عزوجل کے لئے اس کو درگزر کرے (اور انتقام نہ لے) تو اللہ تعالیٰ اسکے بدلے میں اس کی بھرپور مدد فرمائے گا (دنیا اور آخرت میں اس کو عزت دے گا) ☆ دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص صلہ رحمی کے لئے دوسروں کو دینے کا دروازہ کھولے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کو اور بہت زیادہ دے گا اور ☆ تیسری بات یہ ہے کہ جو آدمی (ضرورت سے مجبور ہو کر نہیں) اپنی دولت بڑھانے کیلئے سوال اور گداگری (بھیک مانگے گا) کا دروازہ کھولے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی دولت کو کم کر دیگا (مسند احمد، مشکوٰۃ باب الرفق)۔

انصاف کے ساتھ ظلم کا بدلہ لینا اگرچہ جائز ہے لیکن فضیلت وعزیمت کی بات یہی ہے کہ بدلہ لینے کی قدرت کے باوجود محض اللہ کیلئے معاف کردے تو یہ ثواب واجر کی بات ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: اللہ کی قسم! رسول اللہ نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی کو سزا نہیں دی، لیکن جب اللہ کی حدود کو کوئی توڑتا تو آپ اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے سزا دیتے تھے (بخاری شریف)۔

رسول اللہ کا عالمی پیغام:

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنے خادم (غلام یانوکر) کا قصور کتنی بار معاف کروں؟ آپ نے اس کا کوئی

جواب نہیں دیا اور خاموش رہے۔ اس نے پھر وہی عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنے خادم کا قصور کتنی بار معاف کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہر روز 70 بار (جامع ترمذی)۔

سوال کرنے والے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت! اگر میرا خادم بار بار قصور (غلطی) کرے تو کہاں تک اسے معاف کروں اور کتنی بار معاف کرنے کے بعد اس کو سزا دوں۔ آپ نے جواب دیا کہ اگر بالفرض روزانہ 70 بار بھی قصور کرے تو تم اس کو معاف ہی کرتے رہو۔

آپ کا مطلب یہ تھا کہ قصور کا معاف کرنا کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کی حد مقرر کی جائے بلکہ حسنِ اخلاق، عفو و درگزر اور رحم کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بالفرض وہ روزانہ 70 بار سے بھی زیادہ غلطی کرے تو اس کو معاف ہی کر دیا جائے۔ 70 کا عدد تحدید کے لئے نہیں بلکہ تکثیر کے لئے ہے۔ جتنی بار بھی ہو قصور معاف کر دیا جائے۔

آپ کی سیرت و طریقۂ زندگی (Way of life) ہم تمام مسلمانوں کیلئے آخری اور قطعی نمونہ (Last and Final Model) کی حیثیت ہے اور تا قیامت آپ کا اسوہ ہمارے لئے قابلِ عمل ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سبھی نہ صرف سیرت رسول پڑھیں بلکہ عمل بھی کریں تاکہ دنیا و آخرت کامیاب ہو۔ آمین ثم آمین۔

لاکھوں کروڑوں درود مصطفی جان رحمت پر۔

از قلم: مفتی احمد عبید اللہ یاسر قاسمی

امام و خطیب مسجد محی الدین ونستھلی پورم حیدرآباد

رسول رحمت، سید الاولین والاٰخرین امام الانبیاء والمرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ کی ذات گرامی ایک ایسی کامل واکمل اور عظیم ترین شخصیت ہے کہ آپ ﷺ کی جامعیت وکاملیت اور عالمگیریت نے کائنات کے ہر ذرے، ہر گوشے اور ہر شعبہ حیات کو متاثر کیا، عبادات ہو یا معاملات، اخلاقیات ہو یا معاشرت، عدالت ہو یا سیاست، ریاستی احکامات ہوں یا سفارتی تعلقات، جنگی تدابیر ہوں یا گھریلو مسائل، تمام میں رسول رحمت ﷺ کی ذات والاصفات کامل واکمل نمونہ کے طور پر سامنے آتی ہے، رسول رحمت ﷺ کی سیرت طیبہ حیاتِ انسانی کے تمام گوشوں پر محیط دکھائی دیتی ہے عہد رسالت سے قبل حیات طیبہ میں ایک امانت دار تاجر، بہترین شوہر، اچھا دوست، یتیموں کا در یتیم، بیواؤں اور مساکین کا غمخوار اور امانت و صداقت کے علمبردار نظر آتا ہے تو وہیں بعثت نبوت کے بعد ایک عظیم الشان داعی، غزوات اور سرایا میں ایک زبردست کمانڈر وسپہ سالار، ریاست مدینہ کا مایہ ناز سربراہ، ایک کامیاب جج، ایک کامیاب معلم، ایک کامیاب رہبر، ایک کامیاب سیاسی قائد کی ذات گرامی دکھائی دیتی ہے

سیرت نبوی اسلام کا دائمی معجزہ

یہ اس لیے کہ سیرت نبوی اسلام کا دائمی معجزہ اور اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ ہے کہ ہر نوع اور ہر آن تبدیل ہوتی ہوئی دنیا کے ہمرکاب رہتی ہے، ہر دور اور ہر زمانے اوت ہر علاقے میں ہر ہر طریقہ سے رشد وہدایت کا منارہ نور بن کر بھٹکی ہوئی انسانیت کو نشانِ منزل ہی نہیں بلکہ منزلِ دوام عطا کرتی ہے

کیا یہ سیرت نبوی کا معجزہ نہیں ہے کہ آج تک دنیا نے آپ کی ذات بابرکات کو جس قدر قابل اعتناء ولائق اہتمام سمجھا اور جس خوبی اور حوصلہ ونیاز مندی کے ساتھ سیرت طیبہ کے ہر زاویہ کو سنوارا، اس اعزاز کا عُشرِ عَشیر بھی کسی کے حصے میں نہیں آیا، کیا یہ سیرت نبوی کا اعجاز نہیں ہیکہ آپ کی زبان کا ایک ایک حرف، حرکات وسکنات کی ایک ایک ادا، اور آپ کی جلوت وخلوت کے ایک ایک خط وخال کا عکس آج بھی موجود ہے اور آپ کی حیات طیبہ کی ایک ایک کیفیت کتب سیرت کے اوراق میں بالتفصیل محفوظ ومامون ہے

سیرت نبوی ﷺ قرآن کریم کی عملی توضیح

یہ اس لیے بھی کہ رسول رحمت ﷺ کی حیات طیبہ قرآن کریم کی عملی تفسیر و توضیح ہے قرآن اگر متن ہے تو سیرت اس کی تشریح، قرآن علم ہے تو سیرت اس کی عملی تطبیق، قرآن صحف وما بین الدفتین اور اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہے تو سیرت اس زندہ وجاوید پیکر جمیل کا نام ہے جس نے مکے کی گلیوں اور بازاروں میں چلتے پھرتے توحید کے نغمے سنائے اور مدینہ میں سلطنت مدینہ کی بنیاد رکھی جس نے اہل دنیا کو ایک منفرد طرز حکمرانی سے روشناس کروایا، یہی وہ حقیقت ہے جس کا اظہار ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس طرح بیان کیا تھا کہ کان خلقہ القرآن کہ آپ چلتے پھرتے قرآن ہیں، انہیں وجوہات کے سبب خالقِ کائنات نے رسول رحمت ﷺ کو تا قیام قیامت آئیڈیل اور بہترین اسوہ بنا کر امت کے سامنے پیش کیا ارشاد باری ہے: درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یومِ آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔(سورہ الاحزاب 21)

اور رسول رحمت ﷺ کی اتباع اور اطاعت کو دراصل اپنی خوشنودی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ قرار دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا۔(سورۃ آل عمران 31)

اور جو شخص رسول کی اطاعت کرے گا بیشک اس نے خدا کی اطاعت کی (سورۃ النساء 81)

ہماری بے حسی و مردہ دلی

لیکن مقام افسوس کہ آج ہم جس طرح مطالعہ سیرت سے غفلت برت رہے ہیں اور اسکے پیغام کو فراموش کر رہے ہیں وہ شاید اس دور کی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے؛ ہمیں پتہ ہی نہیں کہ رسول رحمت ﷺ کے اخلاق و عادات کیا تھے؟ رسول رحمت ﷺ نے اپنی بیویوں کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ اپنے دوستوں کے مابین رسولِ رحمت ﷺ کا کیا معاملہ تھا؟ کفار اور منافقین سے رسولِ رحمت ﷺ کا کیا وریہ تھا؟ ریاست مدینہ میں رسولِ رحمت ﷺ نے کیسی حکمرانی کی تھی؟ رسول رحمت ﷺ

کی رحمت ورافت، محنت وشفقت، خشیت وانابت، شجاعت و امانت، صداقت وعدالت، جود وسخا، فراست ومتانت، ایثار وقربانی، احساس ذمہ داری، حلم و تواضع، صبر وتوکل، نیز گھریلو زندگی میں بہترین ساتھی، شفیق سردار، مساکین کے سرپرست، اسی طرح قومی وملی زندگی میں عدل وانصاف، فوجوں کی کمانڈری، انتظامات حکومت، رعایاپروری، سیاسی سوجھ بوجھ، دوستوں کی دلداری، دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک وہ عظیم اخلاق وکمالات کہ جسکی بناپر رب العالمین نے رسولِ رحمت ﷺ کو خلق عظیم کے مرتبہ پر فائز کیا ان سے ہم نابلد نا آشنا ناواقف ہیں

ایک طرف قوم مسلم کی تباہ کن، گھمبیر اور نازک ترین صورتحال ہے تو وہیں دوسری طرف امت مسلمہ کو لاتعداد چیلنجز کا سامنا ہے۔ کفار چوری، سفاکی، چالاکی وبیباکی کے ساتھ اسلام کو مٹانے میں مصروف ہیں، ان کی سب سے بڑی حسرت یہ ہے کہ وہ ہماری نوجوان نسل کو دنیا کی زیب وزینت، مادی زندگی کا عیش و تنعم، بلا مواخذہ جسمانی لذتوں کے مواقع فراہم کر کے روحانی لذتوں سے بے بہرہ کردے۔ اور رسول رحمت ﷺ کے ارشادات وتعلیمات کی اصل روح کو مسخ کر کے مسلمانوں کے دلوں سے رسول رحمت ﷺ کی محبت کا نقش مٹادیں چنانچہ اسلام دشمن محققین اور متعصب مستشرقین نے رسول رحمت ﷺ کی ذات مبارکہ سیمتعلق شکوک وشبہات کو عام کیا، مادی سطح پر آپ کی شخصیت کو لوگوں کے سامنے پیش کیا، فضائل وکمالات کا اِنکار کیا، اور مقام نبوت، حقیقتِ نبوت اور وحی پر شکوک وشبہات پیدا کئے پھر کیا تھا کہ توہینِ رسالت کے مجرمین اور گستاخان رسول بین الاقوامی سطح پر رسول رحمت کی ذات گرامی پر اعتراضات کرنے لگے

در اصل اسکی وجہ ہم خود ہیں کہ مطالعہ سیرت نبوی اور اسکی حقیقی ضرورت و اہمیت کا احساس ہمارے دلوں سے محو ہو گیاہے، ہماری زندگیوں کی نہج کچھ ایسی بن گئی ہے کہ ہمیں اس اہم خلاء کا احساس بھی نہیں ہوتاجو ہماری زندگیوں میں مطالعہ ٔسیرت کے فقدان یا کمی کی بناء پر پیدا ہو گیاہے اور یہ وہ محرومی ہے جس کا ذمہ دار خود ہمارے اپنے سوا کوئی نہیں ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

عصر حاضر میں سیرت طیبہ کی سخت ترین ضرورت و معنویت

یہ بات حقیقت ہے کہ سیرت طیبہ کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے لیکن موجودہ وقت میں اسکی اہمیت و معنویت اور ضرورت دوگنا ہو جاتی ہے کیونکہ کہ

موجودہ دور گلوبلائزیشن (Globalization) اور عالمگیریت کا دور ہے، اور پوری دنیا کسی گلوبل سسٹم (Global System) اور عالمگیر نظام کی طرف تیزی سے رواں دواں ہے سائنس اور ٹکنالوجی آسمان چھورہی ہے، ہر روز نئے نئے انکشافات نت نئے ایجادات سامنے آرہے ہیں، مادیت کا سیلاب بلاخیز ہے کہ تھمنے کا نام نہیں لیتا، جدھر دیکھو سامان عیش ونشاط کی فراوانی ہے، شہر تو شہر اب دیہات بھی رفتہ رفتہ جدید سہولیات سے آراستہ ہو رہے ہیں لیکن ایک حیات انسانی کے، کہ جسے اجڑے ہوئے طویل عرصہ بیت چکا ہے، رواداری اور بھائی چارگی اپنی آخری سانسیں لے رہی ہے، اخوت ومحبت امن اور خوشحالی کا جنازہ نکل چکا ہے، بلکہ وہ دور جاہلیت عود کر آیا چاہتا ہے جسکی بیخ کنی کے لیے رسول رحمت ﷺ کو مبعوث کیا گیا تھا، جاہلیت، توہم پرستی، غارت گری دختر کشی، حق تلفی الغرض موجودہ دور جاہلیت کی منہ بولتی تصویر بن گیا ہے ایسے پر آشوب دور اور لادینیت زدہ ماحول میں پوری انسانیت مسیحائی ورہبری کی منتظر ہے، ان حالات میں ہمیں بس ایک شمع ایسی نظر آتی ہے جو اپنی کرنوں سے اس راہِ محبت میں چلنے والوں کی انگلی پکڑ کر انہیں منزل مقصود تک پہونچانے کی صلاحیت رکھتی ہے اور جس کی روشنی میں ہر انسان کے لئے دنیا ہی کا نہیں بلکہ آخرت کا بھی سامان نجات ہے، ایک ایسی چیز جس پر عمل کرنا آسان اور ایک ایسا سانچہ جس میں خود کو ڈھال لینا نہایت ممکن ہے، اور وہ حسین شمع یا زندگیوں کو کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرنے والا سانچہ "سیرت طیبہ "ہے، کیوں کہ تاریخ گواہ ہے کہ انسانیت کا سب سے بڑا ابہی خواہ اگر کوئی ہے تو وہ ذات رسالت مآب نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ فداہ ابی وامی کی ہے

اسباب وتدارک

(1)امت مسلمہ کی بالعموم اور علماء دین کی بالخصوص یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اقوام عالم کی رہبری وامامت کا فریضہ انجام دیں جو کارنبوت کی تکمیل کے بعد ان کے سپرد ہے لہذا امت کو درپیش عصری چیلنجز چاہے وہ مذہبی یاسیاسی، معاشی ہویامعاشرتی ہر ایک کے اسباب وعلل کا جائزہ لے کر سیرت طیبہ کی روشنی میں اسکا حل وتدارک اور لائحہ عمل مرتب کرنا ہوگا

(2)رسول رحمت ﷺ کے فضائل، شمائل اور خصائل کے علاوہ سیرت نبوی ﷺ کا جدید پہلوؤں سے مطالعہ کرنا، علمی، عملی، تحقیقی، تنقیدی، نقلی اور عقلی دلائل کی روشنی میں سیرت پر اٹھائے جانے والے سوالات کا جواب دیناہو گا ساتھ ہی ساتھ

اس پہلو کو اجاگر کرنا ہو گا کہ دینِ اسلام قرونِ اولیٰ ہی نہیں بلکہ ہر دور کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے اور مسائل کے حل اور پریشانیوں سے چھٹکارہ پانے کے لئے سیرتِ طیبہ کی طرف رجوع ہر دور کی ضرورت ہے

(3)غیر مسلموں تک سیرت طیبہ کے اخلاقی وروحانی اور آفاقی پہلوؤں کو پہنچانے کے لئے سیرت رسول ﷺ کو صحیح اسلوب ومنہج اور حالات زمانہ کے مطابق ہر ہر زبان میں پیش کرنا ہو گا۔

(4)عبادات اور شرعی احکام سے آگے بڑھ کر اجتماعی زندگی، سیاسی حکمت عملی اور دوسری اقوام کے ساتھ سلوک وتعلق کے معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرز عمل کو سامنے رکھنا ہو گا

(5)کتب سیرت بالخصوص قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری رحمہ اللہ کی ''رحمۃ للعالمین''، علامہ شبلی نعمانیؒ کی کتاب ''سیرۃ النبی'' مولانا عبد الرؤف دانا پوری کی کتاب ''اصح السیر''، مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کی ''خطباتِ مدارس'' مولانا سید ابو الحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ کی ''نبی رحمت''، ڈاکٹر حمید اللہ حیدرآبادی کا سیرت پر لکھا گیا تمام لٹریچر، مولانا نظام الدین اسیر ادروی کی ''عہد رسالت غار حرا سے گنبد خضرا تک''، مولانا عبد القوی مد ظلہ کی ''ذکر حبیب'' اور انکے ماخذ ومراجع بالخصوص سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد، دلائل النبوۃ، زاد المعاد، وغیرہ کو عام کرنا ہو گا

(6)یقین رکھیں!! اگر آج دنیا مادی ترقی کے ساتھ ساتھ اخلاقی وروحانی ترقی چاہتی ہے اور وہ پرامن اور خوش حال زندگی کی خواہاں ہے تو اسے آج سے ساڑھے چودہ سال پیچھے مڑ کر دیکھنا ہوگا،

بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

ہاں دکھادے اے تصور پھر وہ صبح وشام تو

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

(6)ان سب کے علاوہ ہمیں پوری اہمیت کے ساتھ سیرت طیبہ کی روح کو سمجھنا ہوگا، اسے اپنے اخلاق و اعمال میں شامل کرنا ہوگا اور عملی طور پر اسوہ حسنہ کو فروغ دینا ہوگا کہ جب تک ہماری زندگیاں سیرت طیبہ کے مطابق نہیں ہوں گی تب تک مادی ترقی کے تمام تر اسباب جمع ہونے کے باوجود ہم تنزلی کا شکار ہی رہیں گے۔

وہ ایک کارٹون اور کارٹونسٹ تھا، سستی شہرت، دولت کی اندھی لالچ و حرص نے اسے اس جگہ لا کھڑا کیا کہ رحمۃ للعالمین پیغمبر جیسی عظیم شخصیت کی گستاخی کر بیٹھا۔ لیتوین باپ اور سویڈش ماں کی قربتوں سے پیدا ہونے والا لارس اینڈل راجر ولکس (Lars Endel Roger Vilks) 20 جون 1946 کو زمین پر بوجھ بنا۔ یہ شیطان آگے چل کر انتہائی بد طینت ثابت ہوا۔ یہ کارٹون پیشے کے لحاظ سے بھی کارٹونسٹ تھا یعنی پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔ یہ کارٹون 1997 سے 2003 تک برجن نیشنل اکیڈمی آف آرٹس میں آرٹ تھیوری کا پروفیسر رہا۔ پھوٹی ان کی قسمت جنہوں نے اس سے تھیوری پڑھی۔ 2007ء میں اس بد بخت نے نبی کریم ﷺ کے تین گستاخانہ خاکے تیار کیے۔ اور اپنی ڈرائنگ کے ذریعے اپنی خباثت کو ظاہر کیا۔ جو سویڈن کے بڑے اخبارات اور بعد ازاں 18 اگست کو اس کی ڈرائنگ نیریکس الہندا (Nerikes Allehanda) کے ایک علاقائی اخبار میں شائع ہوئی۔ ہائے!! یہ گستاخی کس عظیم شخصیت کی شان میں تھی!!

جو بعد از خدا بزرگ تر شخصیت ہیں۔

جو تمام جہانوں کے لیے رحمت بن کر آئے۔

جو فخر انسانیت ہیں۔ جو سردار آدمیت ہیں۔ جو انسانیت کی رشد و ہدایت، تعلیم تربیت اور فوز و فلاح کے لیے مبعوث ہوئے۔

یاد رکھیے! عالم کفر جو سمجھتا تھا کہ دین اسلام کو پھونکوں سے گل کر دیں گے، اپنے عزائم میں بری طرح اور پوری طرح ناکام ہوا تو دین اسلام اور سرور کائنات محمد کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیوں کے

ذریعے اپنے دلوں کی آگ بجھانے کی یہ سستی اور خبیث راہ ڈھونڈی۔ جس طرح کفار مکہ ''کسی مذمم'' کو گالیاں دیا کرتے تھے رسول کریم کے بارے میں وہ شتم گوئی کیا کرتے۔

آنکھیں اگر ہوں بند تو پھر دن بھی رات ہے

اس میں بھلا قصور ہے کیا آفتاب کا

جن کے نصیب میں ہدایت کے بجائے گمراہی اور اس عظیم دین کی مخالفت آجائے اس سے بڑے گمراہی، بدنصیبی اور بدبختی کیا ہے۔ ایسے لوگ کل بھی رسوا تھے اور آج بھی رسوائے زمانہ ہیں اور عزت صرف اور صرف اہل ایمان اور ان کے رہبر ور ہنما محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ بہر حال جب لارس ولکس نے یہ گستاخی کی تو دنیا بھر کے مسلمان اس خبیث وبد طینت شخص کی نازیبہ حرکت کے بارے میں شدید غم و غصہ کا اظہار کرتے رہے جبکہ دوسری طرف اسے سیکیورٹی گارڈ مہیا کیے گئے، اس کی حفاظت کی ہر ممکن کوشش کی گئی، اسے ایوارڈ سے بھی نوازا گیا لیکن رب العالمین نے بھی وعدہ کرر کھا ہے
۔

اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ

الحجر–95

''یقین رکھو کہ ہم تمہاری طرف سے ان لوگوں سے نمٹنے کے لیے کافی ہیں جو (تمہارا) مذاق اڑاتے ہیں۔''

تاریخ کے اوراق اس ربانی وعدے کی وفا کی مثالوں سے بھرے پڑے ہیں، آج بتاریخ 3 اکتوبر 2021ء کو رب العالمین نے اس وعدے کو پورا یوں کیا کہ یہ کارٹون سیکیورٹی گارڈز کے ہمراہ کار میں سفر کر رہا تھا اچانک اس کی کار ٹرک سے ٹکرا گئی اور یہ دھرتی کا بوجھ واصل جہنم ہوا۔۔ اور وہ سیکیورٹی گارڈ!!! وہ ایوارڈ !!!!!وہ عوامی اجتماعات سے دوریاں !!!!وہ حفاظت کے جتن !!!سب دھرے کے دھرے رہ گئے۔

اُلٹی ہو گئی سب تدبیریں دوا نے کُچھ نہ کام کیا

دیکھا اِس بیماری دِل نے، آخر کام تمام کیا